لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۴ — ربیع الاوّل ۸۹ھ

شمارہ نمبر : ۹ — جون ۱۹۶۹ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے

مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے فی پرچہ ۷۵ پیسے

غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

صد افسوس کہ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے مایہ ناز بزرگ اور روحانی رہنما حضرت مولانا شاہ عبدالغفور صاحب عباسی مجددی مہاجر مدینہ طیبہ بھی امت کو داغِ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سانحۂ وفات یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ (سعودی عرب کے مطابق) ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء بروز ہفتہ عشاء کے بعد پیش آیا جنازہ مسجد نبوی میں نماز فجر کے بعد ہوا، اور طلوعِ آفتاب کیساتھ رشد و ہدایت کا یہ آفتاب قدوسیوں کی خوابگاہ بقیع الغرقد میں روپوش ہوگیا، جس ذات والاصفات (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اتباع اور نقشِ قدم پر ساری زندگی نچھاور کر دی تھی، موت کے بعد اس کے قدموں میں ہی جگہ پائی طاب حیاً و میتاً رحمۃ اللہ و رضی عنہ و ارضاہ۔ ذیابیطس ضعف اعصاب وغیرہ تکالیف عرصہ سے لاحق تھے۔ اسی ضعف و علالت میں اس سال بھی ادائیگیٔ حج کیلئے تشریف لے گئے، عرفات جاتے ہوئے منیٰ میں طبیعت نڈھال ہوئی، بیہوش ہوگئے، اور اسی حالت میں وقوف عرفہ کا فریضہ ادا ہوا، عرفات سے واپسی پر راتوں رات مدینہ طیبہ پہنچا دئے گئے۔ بقیہ مناسک حج قربانی وغیرہ کے لئے اوروں کو مامور فرمایا۔ پچھلے ۳۰، ۳۵ برس سے حج کرتے چلے آتے تھے مگر اس حج پر عجیب مسرت اور ناز تھا، بڑے مزے لے لیکر اس کا ذکر کرتے اور ایسا محسوس ہوتا کہ شاید یہی حج ان کا حجۃ الوداع ہے۔ ۱۱ مارچ کو احقر مدینہ طیبہ پہنچا، دوسرے دن حاضری دی، ضعف و نقاہت کافی تھی مگر طبیعت سنبھلنے لگی تھی۔ ۲۷ مارچ تک وہاں احقر کا قیام رہا، اس دوران وعظ و ارشاد کی مجالس زائرین اور مہمانوں کی خاطر داری اور پُرتکلف مہمان نوازی کا وہی سلسلہ جاری رہا جو عمر بھر ان کا شیوہ تھا، جسم اندر ہی اندر جان لیوا بیماریوں سے گھل رہا تھا مگر چہرہ پر وہی بشاشت اور طمانیت، ذکر و فکر میں وہی ذوق و شوق اور استغراق اور وعظ و ارشاد میں وہی سوز و گداز۔ ۲۳ اپریل کو مخلصین کے اصرار پر بغرض علاج و آرام کراچی لاتے گئے مگر مرض میں افاقہ کی بجائے اضافہ ہی ہوتا گیا، اس دوران ذرا بھی ہوش آتا تو طبیعت فراقِ مدینہ میں بے چین اور مضطرب محسوس ہوتی، اور جلد از جلد واپس پہنچانے کا تقاضا ہوا تھا۔ ڈاکٹروں کی تشخیص تھی کہ معدہ پر کینسر ہے، اور اس حالت میں حضرت کے زندہ رہنے پر حیرت ظاہر کی۔ کہ ہفتہ عشرہ قیام کے بعد مدینہ طیبہ پہنچا دئے گئے اور مشاہدہ کرنے والوں کا بیان ہے کہ سرزمین حجاز پر قدم رکھتے ہی حضرت کی بے چینی مسرت اور سکون سے بدل گئی، مدینہ طیبہ پہنچنے پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اسی دن کیلئے تو مدتوں آستانۂ یار پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے، بالآخر ہفتہ کی شب بعد از عشاء وصالِ محبوب

میں تڑپنے اور سلگنے والا یہ روشن چراغ وصال حقیقی کی دولت سے سرفراز ہو کر خاموش ہو گیا ؎

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت مولانا مرحوم غالباً ستر پچھتر برس[1] قبل صوبہ سرحد کے شمال مشرق کے یاغستانی علاقہ بجوڑ دیر کے موضع جدیال میں پیدا ہوئے ، قدرت کی فیاضی دیکھئے کہ علمی اور روحانی چرچوں سے بہت دور ایک دور افتادہ علاقہ اور حصول علم کی آسائشوں سے محروم ایک کوہستانی بستی کے ایک معصوم بچے کو آگے چل کر اپنے وقت کا شیخ مدینہ بنانا تھا ۔ اور جن کے فیض سے نہ صرف عجم بلکہ عرب اور افریقہ کے بیشمار لوگ فیضیاب ہونے تھے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی تکمیل ہندوستان میں اکابر دیوبند بالخصوص حضرت مفتی کفایت اللہؒ سے فرمائی ، بعد از فراغت مدتوں دہلی میں مسند تدریس کو رونق بخشی اور عقلی و نقلی علوم میں نہایت تبحر اور ید طولیٰ حاصل کیا ، سلوک اور تزکیۂ باطن کے مراحل سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک ممتاز مرشد حضرت خواجہ فضل علی مسکین پوری سے طے فرمائے ۔ عشق حقیقی سے سرشار طبیعت کو قرار مدینہ طیبہ میں نظر آیا ۔ ۳۰ ، ۳۵ برس پہلے ہجرت فرمائی ابتداء میں ابتلاء و آزمائش کے نہایت صبر آزما مراحل سے گذارے گئے اور کامیابی و استقامت کے بعد ظاہری و معنوی برکات اور فتوحات کا دروازہ کھلا اور بے پناہ مقبولیت ، مرجعیت اور عجیب جاذبیت سے نوازے گئے کہ "العطایا علی متن البلایا" ؟ جہاں بھی گئے ایک مقناطیسی قوت کیطرح خلق خدا پروانہ وار جمع ہونے لگی ۔ اور بقدر ظرف ہر ایک نے فائدہ اٹھایا ۔ فیاض ازل نے انہیں نہایت بلند اور پاکیزہ صفات سے نوازا تھا ، تحمل ، بردباری ، شفقت علی الخلق بلند حوصلہ ، بے مثال سخاوت اور مہمان نوازی دین کے لئے درد و سوز اصلاح خلق کی تڑپ اور تبلیغ دین میں حکمت و موعظت اور طریق احسن اپنانے کا ملکہ ، لوگوں کی نفسیات کا گہرا شعور ، غرض ہر چیز میں نہایت اعتدال و احتیاط اور ہر کام میں بصیرت اور تدبّر کا ظہور ہوتا ۔ نتیجۃً مرجع خاص و عام بنے تربیت اور اصلاح پانے والوں کا سلسلہ عرب سے عجم تک پھیلا ہوا ہے ، مگر فیض کا زیادہ حصہ پاکستان کو پہنچا ہے پچھلے پندرہ سال میں کئی بار پاکستان تشریف لائے ، جبکہ دیگر ممالک کے سفر پر کبھی آمادہ نہ ہوئے ، اپنے دورہ سرحد کے موقعہ پر دار العلوم حقانیہ بھی کئی بار تشریف لائے ۔ محبت ، تعلق اور خصوصی توجہات اور دعاؤں کا سلسلہ تو آخر دم تک قائم رہا اس لحاظ سے دار العلوم حقانیہ کے مہتمم وشیخ الحدیث اور ماہنامہ الحق کے نگران حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ نے بجا طور پر اس سانحہ کو دار العلوم کا ذاتی سانحہ قرار دیا ہے ۔ ایک ایسے کامل الصفات اور جامع شریعت و طریقت بزرگ کی سانحۂ وفات سے علم و عمل تصوف اور سلوک ، وعظ و ارشاد کے ایوانوں میں جتنا بھی ماتم ہو برحق ہے ۔ حضرت اقدس کی ذات دیوبندی سلسلۃ الذہب کی ایک بیش قیمت کڑی تھی ، ابھی چند سال پہلے تک

[1] سن ولادت ۱۸۹۲ء

مدینۃ الرسول میں اس سلسلۃ الذہب سے وابستہ تین مہاجر بزرگ موجود تھے اور اطراف عالم میں حکمت و معرفت کی شکل میں دیوبند کا فیض تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا شیر محمد سندھیؒ اور حضرت مولانا عبد الغفور عباسی رحمہم اللہ، مگر اب وہ کائنات محفلیں اجڑ گئی ہیں گو جن کے وجود پر برصغیر کے دینی اور علمی حلقے جتنا بھی ناز کرتے تو کم تھا۔

حریفاں بادہا خوردند و رفتند 	تہی خمخانہا کردند و رفتند

حضرت اقدس مولانا عباسی مرحوم اخلاق حسنہ کے پیکر، اتباع سنت کا مجسمہ، انسانیت کا نمونہ تھے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس کائنات میں ہمارے سب سے بڑے محسن اور سب سے زیادہ محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑوسی اور غلام حاضر باش تھے، ان کی نیم شبانہ دعاؤں میں ہمارے لئے ایک بڑا سہارا تھا۔ انہیں پورے عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی، مواجہۃ الرسول علیہ السلام میں ان کی گریہ وزاری پوری امت اور پاکستانی مسلمانوں کیلئے خاص طور پر نعمت کبریٰ تھی، دنیا کا ہر خطہ ایسے بزرگوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے جنہیں زمین کا نمک، انسانیت کا جوہر اور علم و عمل کی آبرو کہنا چاہیے۔ دو دل بیچنے والے تو مدت ہوئی کہ بڑی تیزی سے اپنی دکان علم و حکمت بڑھانے لگے ہیں۔ حرمین الشریفین بھی اس عالمی خسارہ کی لپیٹ میں ہیں کہ یہ تو عالم اسباب ہے معنوی برکات ایسے مقامات سے معدوم تو نہیں ہو سکتیں مگر مستور ضرور ہوتی جا رہی ہیں، افسوس کہ مدینہ طیبہ کی وہ عباسی خانقاہ اجڑ گئی جہاں پہنچ کر روحانی پیاسوں اور تھکے ماندے مسافروں کو شفقت غفوری اپنی آغوش میں ڈھانپ لیتی تھی۔ ہماری دعا ہے کہ جانے والے پر رحمتوں اور رہنے والے پسماندگان اور متوسلین پر صبر و اجر کی بارش ہو اور مدینہ طیبہ کی منزل عباسی کی رونق اسی طرح قائم و دائم رہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے نئے سربراہ صدر یحییٰ خان صاحب نے اپنے بیانات میں بار بار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کے اٹل اصولوں کی حفاظت کو پاکستان کا اساس قرار دیا ہے۔ اس ملک کے نظریاتی سرحدات کی از سر نو نشاندہی فرمانے کے بعد صدر یحییٰ اور ان کے رفقاء کا اصل کام اب یہ ہے کہ وہ عملاً ان سرحدات کی تعمیر و استحکام میں لگ جائیں، تعلیمات نبویہ کو بروئے کار لایا جائے۔ لادینی عناصر، غیر اسلامی نظریات اور منکرات سے ملک کی تطہیر کی جائے۔ عہد رفتہ کی بہت سی خرابیاں عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی، فلم، ٹیلی ویژن اور صحافت کے ذریعے بے حیائی اور فحاشی کے فروغ مخلوط تقریبات اور سب سے بڑھ کر دینی اور اخلاقی تربیت سے یکسر خالی نظام تعلیم کی شکل میں پورے معاشرہ کو کھوکھلا کر رہی ہیں، نئی حکومت انتظامیہ اور معاشرہ کی اصلاح کیلئے

آئے دن مارشل لاء ریگولیشن نافذ کر رہی ہے اگر چاہے تو تمام غیر شرعی قوانین ناجائز رسم و رواج اور ان صریح منکرات کو بھی یکلخت روک سکتی ہے، مگر اس کے لئے اہم ضرورت مومنانہ جرأت بلند حوصلہ اور مضبوط قوت عمل کی ہے۔ کاغذی سطح پر بیانات سے نظریاتی سرحدات کی حفاظت مشکل ہے۔ تبلیغ و تلقین بجائے خود کتنی بھی اہم اور قابل تعریف کیوں نہ ہو مگر صرف اسی پر اکتفاء کرنا بے بسوں کا کام ہے، قوت اور اقتدار رکھنے والے اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جاں بلب مریض کو لمبا چوڑا نسخہ بتلانے کے علاوہ علاج معالجہ اور کڑوی سے کڑوی دوا پلانے کی بھی ضرورت ہے۔ جب مرض معلوم ہے اور دوا بھی ایسی موجود ہے جو اکسیر حیات ہے تو آیئے اور مومنانہ عزم و ہمت کے ساتھ یہ دوا قوم کے گلے میں اتار دیجئے۔ اگر صدر صاحب نے عملاً ایسا کیا تو پوری قوم ان کی اس مسیحائی کو یاد رکھے گی، اس ملک کو آئے دن کے عطائی حکیموں سے بچانا اور حالت نزع سے نکالنا اگر مقصود ہے تو دینی اقدار اور تعلیمات نبویہ اجاگر کرنے کیلئے عملی اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔

یہاں ایک اہم اور نازک فریضہ علماء حق کا بھی ہے ان کا مقام اور مرتبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ امر بالمعروف دینی اقدار کے فروغ اور بحالی کے لئے جدوجہد اور منکرات و قبائح پر نفرین سے کسی بھی لحظہ دریغ نہ کریں، مارشل لاء ہو یا عوامی حکومت صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی نظام انہیں ہر حال میں کتاب و سنت کی حاکمیت اور غیر شرعی امور کی قلع قمع کے لئے بر سر پیکار رہنا ہے۔ اگر حالات کی نزاکت اور وقت سے مصلحت سے ان کے قدم ذرا بھی ڈگمگا جائیں تو ان کی حیثیت وراثت نبوت کی نہیں، بلکہ بدترین خلائق ہو گی ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنے فریضہ سے غافل نہیں ہیں لیکن حالات کی نزاکت زیادہ جوش اور ولولہ، انفرادی اور اجتماعی سطح پر زیادہ جذبۂ عمل اور جانفشانی کا تقاضا کر رہی ہے، اور اصلاح احوال کیلئے سیاسی بنیادوں سے زیادہ خالص دینی و فکری بنیادوں پر کام کی ضرورت ہے۔

اس وقت دنیا کے مسلمان عید میلاد النبی منا رہے ہیں، اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبوت و رسالت کا کوئی بھی واضح یا مبہم دعویٰ تسلیم کرنے کیلئے ہم قطعاً تیار نہیں ہیں جیسا کہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے، تو اس طرح ہم خود بخود قیامت تک حضورؐ کی تعلیمات مقدسہ اور سیرت مطہرہ کی اہمیت اور ضرورت پر بھی مہر لگا لیتے ہیں حضورؐ کے بعد ہر مدعی نبوت کذاب اور دجال ہے تو اس سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آج کی پر ظلمت دنیا کی روشنی اور ہدایت بھی حضور اقدسؐ کے

قول و عمل اور اخلاق و کردار سے ہی ہو سکتی ہے، جسے ہم سیرت کا نام دیتے ہیں۔ مگر کیا یہ حق صرف دو چار دن کے جلسے جلوسوں، چراغاں اور آرائشی دروازوں سے ادا ہو جاتا ہے، افسوس کہ عمل اور کردار سے عاری قوموں کیطرح مسلمان بھی صرف ان ظاہری اور رسمی رسومات میں اپنے لئے سامانِ تسکین ڈھونڈھ رہے ہیں حضورؐ کی اصل یاد تو یہی تھی کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ہر عمل اور ہر سانس سیرت کا عملی نمونہ بن جاتا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہزار بار ہم اپنی آبادیوں کی ہر اینٹ کو چراغاں سے روشن کیوں نہ کر دیں ہمارے قلوب سیاہ اور عمل و کردار کی دنیا اجڑی رہے گی۔ اس وقت جبکہ جاہلیت کا عفریت عالمی پیمانہ پر پوری انسانیت کو کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے، دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہے۔ انسانی قدریں پامال ہو کر اس کی جگہ حیوانی اقدار لے رہی ہیں۔ پوری انسانیت خدا فراموشی، وحشت اور بربریت کے پنجہ میں ہے، اور نتیجہ بھی عالمی پیمانہ پر ظلم و استبداد، بے چینی اور اضطراب کی صورت میں ہمارے سامنے آرہا ہے، ایسے وقت میں حضور انورؐ کی سیرت مطہرہ معلوم کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ بن کر دعوت دینے، الغرض اسے چاند کی روشنی، سورج کی تپش، دریاؤں کی سخاوت اور ہواؤں کی روانی سے زیادہ عام کرنے کی جتنی ضرورت ہے۔ اس سے قبل تاریخ کے کسی دور میں بھی اتنی نہ رہی ہوگی۔ ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی یہ دنیا حضورؐ کی روشن اور بے داغ زندگی ہر لحاظ سے کامل اور جامع اسوۂ حسنہ اور فطرت سے ہمکنار تعلیمات ہی کے ذریعہ روشنیوں سے جگمگا سکتی ہے۔ ہمارے مرض کا علاج سیرت نبوی میں ہے۔ اور ہماری دین و دنیا کی سرخروئی کا راز حضورؐ کی اتباع اور پیروی سے وابستہ ہے۔ اگر ہمیں امن و سلامتی سے مالا مال حیات جاوداں درکار ہے تو آئیے نئے ولولہ، نئے عزم اور نئے جوش ایمانی سے سرشار ہو کر اس رحمت کائنات علیہ السلام کیطرف پلٹ جائیں۔ جس نے غبار راہ کو فروغ وادیٔ سینا عطا فرمایا۔ مظلوم و مقہور انسانیت کو ہم دوش ثریا کر دیا۔ اور مخلوق کی بندگی اور پرستش جیسی ذلتوں سے اٹھا کر ایک خالق حقیقی کی بندگی کے طریقے بتلا دئے، اور ہمارے لئے حق و باطل کے درمیان ایک ایسی سرحد کھڑی کر دی جسے قیامت تک کوئی دجال اور کذاب پھاند نہیں سکے گا۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حق و صداقت کے اس آخری پیغمبر، ابدی صداقتوں کے امین، کائنات کی آبرو اور عالم کی جان پر لاکھ لاکھ صلوٰۃ و سلام ہو۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۱۲ ربیع الاول

معیشت کے معاملات میں بھی اسلام کا نظام دنیا کے ہر نظام معیشت سے خواہ وہ سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت اور اشتمالیت بالکل الگ ہے۔

ایک اسلامی مملکت کا معاشی نظام

مجلسِ علماء جمعیۃ العلماء اسلام کا زیر غور خاکہ

ہر طبقۂ فکر کے علماء کے غور و خوض کیلئے

★

جمعیۃ العلماء اسلام اور ملک کے دیگر حساس علماء حق کو شدت سے یہ احساس ہے کہ ملک کو موجودہ درپیش معاشی مسائل پر کتاب وسنت اور فقہاء امت کے فیصلوں کی روشنی میں خالص اسلامی نقطۂ نظر واضح انداز میں پیش کر دیا جائے۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں ڈھاکہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کی مجلس عمومی کا اجلاس ہوا (جس میں راقم الحروف کو بھی شرکت کا موقعہ ملا) اس موقعہ پر اکابر علماء نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے فقہ اسلامی اور کتاب وسنت پر عبور رکھنے والے جید علماء کی ایک کمیٹی کو اس کام پر مامور کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ العلماء اسلام کی سرکردگی میں اس کمیٹی نے پچھلے دنوں کراچی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کے نامزد کردہ جید اور ماہر علماء نے ان حضرات کی نگرانی میں معاشی مسائل پر طویل غور و خوض کر کے دو ہفتوں کے بحث و مباحثہ اور تتبع کے بعد ایک خاکہ تیار کیا جو ذیل میں ملک کے مختلف طبقۂ فکر کے علماء کے سامنے بغرض استصواب پیش کیا جا رہا ہے۔ جمعیۃ العلماء اسلام ملک کے ممتاز علماء کا ایک اجلاس بلا کر یہ خاکہ اس کے سامنے بھی رکھنا چاہتی ہے۔ جیسا کہ زیر نظر مضمون میں واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ یہ سارا کام غیر سیاسی اور اعلیٰ دینی وعلمی سطح پر کرایا جا رہا ہے۔ کسی بھی خاص جماعت کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہوگا۔ اس لئے ہم تمام علماء اور ارباب فکر سے اپیل کرتے ہیں کہ خالص علمی اور دینی جذبہ سے بلا کسی لحاظ تعصب و تحزب کے اس خاکہ پر اپنے گرانقدر آراء سے مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ کی وساطت سے مجلس علماء کو استفادہ

کا رتبہ بخشیں۔ الحق کے صفحات بھی اس موضوع پر علمی بحث و مباحثہ کے لئے حاضر ہیں پیش نظر
مضمون ایک ابتدائی اور مجمل خاکہ ہے۔ ہر طبقہ کے علماء سے استصواب کے بعد اسے مفصل
کتاب کی صورت دیکر اسلامی معاشی نظام کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

—— سمیع الحق ——

تمہید | یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ وہ عقائد، عبادات، سیاست، معیشت، معاشرت، اخلاق غرض زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اپنے مستقل اصول و فروع رکھتا ہے۔ جو دنیا کے ہر مذہب وملت اور نظام زندگی سے ممتاز اور فائق ہیں۔ لہذا وہ کسی بھی مرحلے پر اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کا کسی دوسرے مذہب یا نظام زندگی کے ساتھ لفظی یا معنوی التباس اور تشبیہ پیدا کیا جائے۔ چنانچہ معیشت کے معاملات میں بھی اسلام کا نظام دنیا کے ہر نظام معیشت سے خواہ وہ سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت اور اشتمالیت بالکل الگ ہے۔

لہذا اس مجلس کے نزدیک یہ بات قابل تحقیق نہیں ہے کہ سرمایہ داری یا سوشلزم اسلام کے مطابق ہے یا نہیں بلکہ یہ بات مجلس کے نزدیک طے شدہ ہے کہ اسلام ان دونوں کا مخالف ہے، اگر کسی فرعی مسئلہ میں کوئی اتفاقی اتحاد ہو جائے تو اسکی وجہ سے اس نظام کو اسلام کے مطابق کہا جا سکتا ہے اور نہ اس معمولی یا جزوی ترمیم کے ذریعہ اسے (اسلامی) کہا جا سکتا ہے۔

اس کی بجائے زیر تحقیق یہ امر ہے کہ موجودہ دور میں انسان کیلئے جو معاشی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں ان کا حل اسلامی نظام کی روشنی میں کیا ہے اور وہ سرمایہ داری اور اشتراکیت سے کس طرح ممتاز ہے۔ اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل باتیں اصولی طور پر پیش نظر رکھی جائیں گی۔

اصول موضوع اور طریقہ کار | ۱۔ اسلام کا معاشی نظام جیسا وہ ہے جدید ترتیب اور تدوین کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

۲۔ اس ترتیب و تدوین میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ اس کو نافذ کرنے کی وہ عملی صورتیں بھی پیش کی جائیں جن میں موجودہ معاشی مشکلات کا صحیح اور قابل عمل حل بھی ہو اور ان کی وجہ سے اسلام کے احکام میں ذرہ بھر تحریف و ترمیم بھی نہ ہو اور کسی دوسرے معاشی نظریہ کا اثر قبول کیا جائے۔

۳۔ اس بات سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کی نوے ۹۰ فیصد آبادی فقر و افلاس اور دوسری معاشی مشکلات کا شکار ہے اور ان مشکلات کو حل کرنا ضروری ہے۔ لہذا ان کے حل

کے لئے مذہب حنفی کو متن قرار دیتے ہوئے تمام مذاہب اربعہ کا مطالعہ کیا جائے گا، اور ضرورت کے مواقع پر جس مذہب میں بھی حل میسر آئے گا، اس کو اختیار کیا جائے گا ــــ لیکن

۴۔ مذاہب اربعہ سے خروج ہرگز نہ کیا جائے گا۔

۵۔ یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ یہ مجلس کسی مسئلہ کا جو حل پیش کرے گی، وہ اس صورت میں قابل عمل اور لائق افتاء سمجھا جائے گا، جبکہ صحیح اسلامی حکومت قائم ہو جس کے تمام قوانین و احکام اسلامی شریعت کے مطابق ہوں۔

۶۔ اس موضوع پر ایک کتاب مرتب کی جائے گی جس کے شروع میں ایک بسیط مقدمہ ہوگا جس میں اسلام کے قرون اولی کی معاشی زندگی کو پیش کیا جائے گا، اور باقی کتاب موجودہ فن معاشیات کی ترتیب پر مرتب کی جائے گی۔

۷۔ یہ سارا کام اعلی دینی سطح پر ہوگا اس کا کسی بھی جماعت سے کوئی تعلق نہ ہوگا نہ اسے کسی جماعت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

۸۔ اس کام کی تکمیل کے بعد اسے ہر فرقہ کے علماء کے سامنے پیش کر دیا جائے گا، اور اس کے بعد اسے اسلامی معاشی نظام کے طور پر شائع کیا جائے گا۔

اراضی کے مسائل ۱۔ اگر اسلامی حکومت کسی شخص کو موات زمین احیاء کیلئے دے اور وہ خود اپنی محنت سے یا اپنے اجیر خاص کے ذریعہ اس کا احیاء کرے تو وہ خود اس کا مالک ہو جائے گا۔ (کان من احیی ارضا میتاً فھی لہ)

۲۔ جو موات زمینیں سابق حکومتوں نے لوگوں کو دی ہیں اور وہ اب تک آباد نہیں کی گئیں اگر دینے کے وقت سے تین سال نہیں گذرے ہیں، تو تین سال کی مدت کے ختم ہونے تک ان کے آباد کرنے کا انتظار کیا جائے گا، اور اگر زمین لینے کی تاریخ سے تین سال گذر گئے ہیں، تو ان سے واپس لیکر ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے پاس زمینیں نہیں ہیں۔ (لما فی الدر المختار ومن حجر ارضا ثم اھملھا ثلاث سنین دفعت الی غیرہ وقبلھا ھو احق بھا وان لم یملکھا الخ۔ (شامی ص ۲۷۸ ج ۵)

۳۔ ایسی اسلامی حکومت جس میں اسلامی نظام حکومت دیانتدار افراد کے ہاتھ میں ہو اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اراضی موات حکومت پاکستان یا انگریزی حکومت نے کسی کو بھی دیں مگر لینے والے نے ان کا احیاء نہ خود کیا اور نہ مزدوروں اور ملازمین سے کرایا بلکہ عقد مزارعت کے طور پر

مزارعین کو احیاء کیلئے دیدیں اور مزارعین ہی نے ان کا احیاء کیا ایسی تمام اراضی کو احیاء کرنے والے مزارعین کی ملکیت قرار دیدے اور جو مزارعین وفات پا چکے ان کے ورثاء کو مالک قرار دیدے (لان المعطی لہ لم یملک الارض بمجرد التحجیر فلم تنعقد المزارعۃ وصار المزارع ھو المالک لانہ ھو الذی احیی الارض واما اذن الامام فلیس بشرط عند الصاحبین و اما عند ابی حنیفۃ فالاذن اللاحق یقوم مقام السابق فاذا اجازت الحکومۃ ذلک وقع الملک للمزارع باتفاقھم۔)

۴۔ جو اراضیٔ موات احیاء سے پہلے کسی کو مدت معلومہ کیلئے کرایہ پر دی گئیں تاکہ کرایہ پر لینے والا زمین کا احیاء بھی کرے اور کاشت بھی اور سالانہ کرایہ آمر کو ادا کرے، ایسی زمین کو جب کرایہ دار قابل کاشت بنائے گا تو وہ خود مالک ہو جائے گا، اور کسی قسم کا کرایہ اس پر واجب نہیں ہوگا، بلکہ جو رقم آمر نے وصول کر لی ہوگی وہ واپس کرنا ہوگی۔ (لما ذکرنا ان الماذون لہ لا یملک الارض قبل الاحیاء فلم تنعقد الاجارۃ لعدم الملک وصارت الارض لمن احیاھا۔)

۵۔ اگر موات زمینیں آباد کرنے کیلئے کسی سے یہ معاملہ کیا کہ وہ اس زمین کا احیاء کرے اور اجیر مشترک کے طور پر اس ٹھیکہ کی اجرت بھی مقرر کر دی تو یہ احیاء اجیر کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ اور اسی کو زمین کا مالک قرار دیا جائے گا۔ اور اس نے آمر سے جو معاوضہ لیا ہوگا وہ واپس کر دیا جائے گا۔ (لما فی الدر المختار استاجرہ لیصید لہ او یحتطب لہ فان وقت لذلک وقتاً جاز والا لا ولو لم یوقت وعین الحطب منہ۔ وفی رد المختار۔ قولہ جاز لانہ اجیر وحد شرطہ۔ بیان الوقت قولہ والا لا ای الصید والحطب للعامل۔ (شامی ص ۵۹ ج ۵)

۶۔ اگر کسی مسلمان حکومت نے کسی مسلمان یا ذمی کی آباد زمین کو غصب کیا اور کسی کو بطور جاگیر دیدیا تو زمینیں ان کے مالکوں کو واپس کی جائیں گی۔ (لانہ غصب ولا استیلاء لمسلم علی مسلم)

۷۔ انگریزی حکومت نے جو مملوک اور آباد جاگیریں سیاسی رشوت یا ملک و ملت سے غداری کے صلہ میں مسلمانوں کو دی ہیں ان کی تین صورتیں ہیں۔

الف:۔ اگر وہ مسلمانوں کی آباد زمینیں چھین لی گئی ہوں تو اسلامی حکومت ان جاگیرداروں سے لیکر سابقہ مالکان کو یا اگر ان کے ورثاء معلوم ہوں تو ان کے ورثاء کو دیدے گی۔ اگر مالک یا اس کے ورثاء معلوم نہ ہوں تو حکومت ان کو اپنی تحویل میں لیکر پاکستان کے

بے زمین لوگوں پر تقسیم کرے گی۔

ب :۔ اگر وہ آباد زمینیں غیر مسلموں کی تھیں اور ان سے چھین کر جاگیر داروں کو رشوت یا غداری کے صلہ میں دی گئیں، تو اب ان کو جاگیر داروں سے واپس لیکر بطور مال فیئ زمین سے محروم لوگوں کو دیدی جائیں گی۔

ج :۔ اگر وہ زمینیں بنجر (موات) تھیں تو احیاء موات کے احکام جاری ہوں گے جو اوپر گذر چکے ہیں۔

۸۔ اسلامی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پیداوار کے نصف سے زائد مثلاً دو تہائی مزارع کا حصہ کر دے۔

۹۔ ٹھیکہ (اجارہ) کی صورت میں بھی ٹھیکہ کی رقم کیلئے ایسی حد کی تعیّن کر دے جس سے ٹھیکہ دار کی محنت کا مناسب صلہ اسے مل جائے۔

۱۰۔ عقد مزارعت ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے صاحبینؒ مزارعت کو عقد صحیح قرار دیتے ہیں۔ جمہور امت کا تعامل بھی یہی ہے لیکن ایک صحیح اسلامی حکومت اگر یہ محسوس کرتی ہے کہ زمیندار اور کاشتکار کا تعلق کسی بھی طرح ایسے صحیح اسلامی طریقہ پر قائم نہیں ہوتا، جو شروط فاسدہ اور زمینداروں کے ظالمانہ طریقہ کار سے آزاد ہو تو وہ ضرورت کیوقت یہ حکم جاری کر سکتی ہے کہ زمینوں کو مزارعت کی بجائے اجارہ ارض کے طریقہ پر کاشت کیا جائے۔

۱۱۔ زمینوں اور کارخانوں کی ملکیت پر کوئی تحدید عائد کی جا سکتی ہے یا نہیں۔؟ یا نزع ملکیت بالعوض کسی مرحلہ پر جائز ہے یا نہیں۔؟ اس مسئلہ پر ابھی غور کیا جا رہا ہے۔؟

۱۲۔ آئندہ احیاء موات کی اجازت صرف ان لوگوں کو دی جائے جن کے پاس زمینیں نہیں ہیں۔

رہن کے مسائل

۱۔ جس مرہون زمین میں مرتہن نے انتفاع بالمرہون کی شرط لگائی ہو یا "المعروف کالمشروط" کے طور پر اس سے انتفاع کر رہا ہو وہ رہن فاسد ہے، لہذا زمین مرہون کو راہن کی طرف بلا توقف لوٹایا جائے گا۔ اور زمین پر جتنے عرصہ مرتہن قابض رہا ہے اس کی اجرت مثل مرتہن پر واجب ہو گی اور اجرت مثل کو زر رہن (قرض) میں محسوب کیا جائے گا، اور اگر اس کی مقدار زر رہن سے بڑھ گئی ہے، تو وہ بھی راہن پر لوٹائی جائے گی۔ (لان ذلک لیس برھن وانما ھو اجارۃ فاسدۃ تجب اجر المثل لما فی رد المختار قال فی التتارخانیۃ

مالفسه - ولو استقرض دراهم وسلّم حماره الی المقرض لیستعمله الی شهرین حتی یوفیه دینه او داره لیسکنها فھو بمنزلة الاجارة الفاسدة ان استعمله فعلیه اجر مثله ولایکون راهنا - الخ) شامی ص ۲۲۷ ج ۵ "

۲۔ اگر مرتہن نے زمین مرہون راہن ہی کو مزارعت پر دیدی تو یہ رہن باطل ہوگیا، لہذا ساری پیداوار راہن کی ہوگی، اور پیداوار کا جو حصہ اس نے مرتہن کو ادا کیا وہ قرض میں محسوب ہوگا، البتہ اگر بیج مرتہن نے دیا ہو تو اتنا ہی بیج یا اگر مرتہن راضی ہو تو اسکی قیمت راہن ادا کریگا۔

تجارت کے مسائل | ۱۔ سود کی تمام اقسام کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے گا، اور بینکوں کا کاروبار شرکت مضاربت کے اصول پر قائم کیا جائے گا، اور قیام پاکستان سے لیکر اب تک بینکوں بیمہ کمپنیوں اور دوسرے نجی سرکاری یا نیم سرکاری تجارتی اداروں نے جتنا سود وصول کیا ہے اسے ضبط کر کے غریبوں پر تقسیم کیا جائیگا۔ ۲۔ قمار اور سٹہ کی جتنی صورتیں رائج ہیں مثلاً بیمہ وغیرہ ان سب کو ممنوع قرار دیا جائے گا، اور ان کے ذریعہ جو آمدنی اب تک ہوئی ہے اسے ضبط کر کے غریبوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

۳۔ تجارت کو آزاد کیا جائیگا، یعنی درآمد و برآمد پر چند افراد کی اجارہ داری کو ختم کیا جائے گا۔

۴۔ غیر مسلم ممالک کے بینکوں میں پاکستان کے سرمایہ داروں کو سرمایہ جمع کرانا ممنوع قرار دیا جائیگا۔ اور موجودہ جمع شدہ رقم کو کسی نہ کسی طرح ملک میں واپس منتقل کا انتظام کیا جائے گا۔ ۵۔ شراب اور دیگر اشیاء محرمہ اور سامان تعیش کی درآمد بالکل ممنوع قرار دی جائے گی۔ ۶۔ تمام اشیاء صرف میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائیگا اور اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے تو اشیاء محتکرہ کی بیع پر اسکو مجبور کیا جائیگا۔ (آخذا بقول ابی یوسفؒ فی ان الاحتکار فی کل ما اضر للعامة حبسه - الهدایة ص ۴۷۷ ج ۴)

کارخانوں کے مسائل | ۱۔ کارخانوں کے ملازمین کی ایسی اجرتیں اسلامی حکومت مقرر کر سکتی ہے جو ایک طرف ان کی نوعیت کار کے لحاظ سے ان کی محنت کا مناسب صلہ بھی ہوں اور دوسری طرف ان کو معاشی طور پر خود کفیل ہونے اور آگے بڑھنے میں مدد بھی دیں۔

۲۔ کارخانہ داروں کا ایسا اتحاد جس سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچتا ہو، مثلاً کارٹیل مرجر اور سنڈیکیٹ وغیرہ کی طرح کی اجارہ داریاں اسلامی حکومت ان کو ممنوع قرار دیگی۔ (لما فی الهدایة ولا یجبر القاضی الناس علی قاسم واحد معناه لا یجبرهم علی ان یستاجروه لانه لا جبر علی العقود ولانه لو تعین لتحکم بالزیادة علی اجر مثله ...... ولا یترك القسام یشترکون کیلا تصیر الاجرة غالیة بتواکلهم وعند عدم الشرکة یتبادر کل منهم الیه خیفة الفوت فیرخص الاجر - الهدایة ص ۵۱۵ ج ۴ ومثله فی البدائع ص ۱۹ ج ۷ - والعالمگیریه)

از ارشادات عالیہ الشیخ مولانا شاہ عبد الغفور صاحب مجددی عباسی
مہاجر مدینہ طیبہ قدس اللہ سرہ العزیز

خدائی نعمتوں کے حقوق ــــــ اور ــــــ تقاضے

★

قیامت کے دن پانچ سوالات

علم و حکمت سے لبریز یہ روح پرور وعظ حضرت مولانا قدس سرہ نے دار العلوم حقانیہ اپنی آمد کے موقع پر ۱۸ رجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز بدھ دار العلوم کی زیر تعمیر جامع مسجد میں بعد از نماز ظہر علماء و صلحاء اور طلباء کے بہت بڑے مجمع میں ارشاد فرمایا جسے اس وقت من و عن ضبط کیا گیا۔ آج جبکہ حضرت مرحوم دنیا میں نہیں ہیں تو ان کے ارشادات مواعظ اور گرانمایہ ملفوظات میں متوسلین کیلئے کافی سامان تسکین و ہدایت موجود ہے۔ انشاء اللہ اگلی فرصتوں میں حضرت کے مزید مواعظ اور ملفوظات بھی پیش کئے جائینگے

"سمیع الحق"

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامۃ حتی یسأل عن خمس عن عمرہ فیما افناہ وعن شبابہ فیما ابلاہ وعن مالہ من این اکتسبہ وفیما انفقہ وما ذا عمل فیما علم او کما قال سیدنا ومولانا صلی اللہ علیہ وسلم ۔

تمہیدی کلمات | میرے بھائی مولوی سمیع الحق صاحب نے سپاس نامہ کے ضمن میں اس فقیر کے

متعلق جو کچھ بیان فرمایا۔ میں اس کا لائق نہیں۔ میں محض ایک طالب علم ہوں۔ یہ محض ان کا حسن ظن ہے کہ انہوں نے اس فقیر کا اکرام و اعزاز فرمایا ہے۔ درحقیقت یہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ قلبی محبت اور والہانہ عقیدت کا نتیجہ ہے۔ اور مدینہ منورہ (شرفہا اللہ وکرمہا) کا احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماکر ان نیک جذبات کا انہیں اجر عطا فرمادے۔ میں تمام مدارس دینیہ کا دعاگو ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ کے وجود کو تادیر قائم و دائم رکھے اور مدرسہ کے تمام اراکین و مدرسین کو اللہ تعالیٰ طویل زندگی نصیب فرمادے۔ میں ان کے ان عقیدتمندانہ کلمات کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ البتہ مدینہ منورہ میں ان کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ اگر خداوند قدوس نے خیریت کے ساتھ وہاں پہنچایا۔ میرے دل میں علوم دینیہ کے ساتھ گہری محبت ہے، علماء دین اور طالبانِ علوم دینیہ کا خادم اور دعاگو ہوں۔

محترم بھائیو! یہ ایک مختصر حدیث ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی۔ یہاں علماء کرام موجود ہیں جو حدیث شریف کے معنی و مقصد سے بخوبی واقف ہیں، لیکن یہاں کے اس اجتماع میں عام لوگ بھی بیٹھے ہیں۔ میں ان کے سمجھانے کے لئے اس حدیث شریف کا مقصد بیان کرتا ہوں ——

حدیث کا خلاصہ و مطلب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قیامت کے بعض احوال کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ جب قیامت کا دن قائم ہوجائے۔ تو بنی آدم کے دونوں قدم اپنی جگہ سے نہ ہلیں گے جب تک اس سے پانچ سوالوں کا نہ پوچھ لیا جائے۔ پہلا سوال عمر کے متعلق کیا جائے گا۔ عن عمرہ فیما افناہ۔ اے انسان میں نے تجھے بیش قیمت عمر سے نوازا تھا آپ نے اس بیش بہا عمر کو کس مد میں خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمان برداری اور اس کے ذکر میں صرف کیا۔ یا کہ معصیت اور غفلت میں ضائع کیا۔

ہماری زندگی کے اوقات اور عمر کے یہ لمحات انتہائی قیمتی ہیں۔

اوقات کی اہمیت اور ہماری بے قدری: ایک ایک سیکنڈ اور لمحہ میں انسان بڑی بڑی نعمتیں اور طرح طرح کے اعمال صالحہ اپنے لئے فراہم کرسکتا ہے۔ اس چند روزہ زندگی کی فرصت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فرامین و احکام کی تعمیل کے صلہ میں آخرت کی دائمی زندگی اپنے لئے حاصل کرسکتا ہے۔ صد افسوس کہ ہماری زندگی کے زرین اوقات اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی جگہ معصیت اور نافرمانی میں بسر ہوتے ہیں۔ آج عصریت کا ایک دور ہے، دہریت کا سیلاب

ہے جس میں مسلمان ڈوبے ہوئے بہتے جارہے ہیں۔ نہ اپنے خالق سے لگاؤ ہے، نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ کے ان گنت احسانات اور لامتناہی نعمتوں کا احساس ہے۔ خداوند قدوس کی بے شمار کریم فرمائیوں کا شکریہ ہم کبھی بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اگر ہم تمام عمر نفس وجود کا شکریہ ادا کرنے میں لگے رہیں تو اس کے شکریہ سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے حضرت داؤد علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ انسان کے جسم پر جتنے بال ہیں اگر ہر ایک بال کو دو دو زبانیں عطا کی جائیں، اور ہر زبان قیامت تک شکریہ ادا کرنے میں مصروف ہو جائے تو شکریہ کا حق ادا نہ کر سکے گا۔ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، آنکھیں، کان، زبان، ناک اور جسم کے دیگر اعضاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی ہوئی بیش بہا نعمتیں ہیں۔

شکریہ اور کفرانِ نعمت | زبان خداوند کریم کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔ احادیث نبویہ کی اشاعت کی جائے۔ وعظ و ارشاد کا مقدس فریضہ اس کے بدولت سرانجام دیا جائے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں استعمال ہو، نہ کہ غیبت، جھوٹ، گالی گلوچ، القاب، قبیحہ میں۔ کیونکہ یہ اس نعمت کا شکریہ نہیں بلکہ کفرانِ نعمت ہوگا۔ اگر زبان سے ارشاداتِ نبویہ، اسرار و رموزِ قرآنیہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کام نہ لیا گیا، بلکہ قوتِ گویائی، گانے بجانے، جھوٹ اور فحش کلامی میں صرف کی گئی، تو زبان اور قوتِ گویائی جیسی عظیم نعمتوں کا شکریہ ادا نہ ہوا۔ اس زبان سے اگر ذکر و تلاوت نہ ہوتی تو کاش اس سے غیبت بھی نہ ہوتی۔ گانے بجانے جھوٹ وغیرہ کا کام بھی زبان سے نہ لیا جاتا تو پھر بھی اچھا ہوتا۔ ایک چیز جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کو اس مقصد کے ضد میں استعمال کرنا کفرانِ نعمت ہے، اسی طرح کان قرآنِ مجید، احادیث نبویہ اور مواعظ حسنہ کے سننے کے لئے ہیں۔ یہ نعمت اسی لئے بخشی گئی ہے کہ قال اللہ اور قال الرسول سن کر اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ اگر اس سے گانے بجانے، ریڈیو کے فواحشات سننے کا کام لیا گیا۔ آنکھوں سے قرآن بینی اور احادیث نبویہ کے مطالعہ اور دیگر جائز امور کے معائنہ کی بجائے سینما، تھیٹر اور فحاشیوں کے مراکز دیکھنے کا کام لیا گیا۔ تو یہ ناشکری اور کفرانِ نعمت ہوگا۔ اور یہ کفر دون کفر ہے۔ اسی طرح ہمارا دل جو اشرف الاعضاء تمام اعضائے جسمانی کا رئیس ہے، اس کا کام بھی اشرف ہو، یعنی عشقِ خدا، محبتِ رسول، ذکرِ حق، فکرِ حق کا مرکز ہو۔ اگر کینہ و حسد بغض و عناد، مسلمانوں کے ساتھ نفرت، ماسوی اللہ سے محبت اور اس قسم کی چیزوں کو دل میں جگہ دی گئی تو ہم نے دل کا استعمال اپنے ضد میں کیا۔ جو

نہایت درجہ کی شوخ چشمی اور کفران نعمت ہے ، میں عرض کر رہا تھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیگا ۔ قدم نہ اٹھائے گا ۔ جب تک پانچ باتوں کی جواب دہی نہ ہوجائے گی ۔

من عمرہ فیما افناہ ۔ پوچھا جائے گا ۔ کہ تم نے اپنی زندگی کے اوقات کو کن کاموں میں صرف کیا ۔

حقوق الاوقات اور حقوق اللہ فی الاوقات | ہر چیز کے حقوق کیطرح وقت کے بھی حقوق ہیں ۔ ایک حقوق اللہ فی الاوقات ہیں اور ایک خود حقوق الاوقات ہیں ۔ حقوق اللہ فی الاوقات کا مطلب یہ ہے کہ اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کئے جائیں اور حقوق الاوقات سے یہ مراد ہے کہ خود وقت ایک نعمت ہے ۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو اس کام میں صرف کیا جائے ، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے ۔ پہلی قسم یعنی حقوق اللہ فی الاوقات اگر اپنے وقت میں کسی عذر کی بناء پر ادا نہ ہوسکیں تو ان کی قضا دوسرے وقت میں جائز ہے ۔ جیسے ظہر کی نماز اگر اپنے وقت میں ادا نہ کی جائے ۔ تو عصر کے وقت میں قضا پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ وقت ظرف ہے ۔ معیار نہیں ۔ (یہ ایک اصولی اصطلاح ہے ۔) اور دوسری قسم یعنی حقوق الاوقات یہ حقوق اگر بروقت ادا نہ کئے جائیں تو ان کی تلافی اور تدارک ممکن نہیں ۔ یہ غیر ممکن القضاء ہیں ۔ مثلاً یہ ایک وقت ہے ۔ جس میں ہم یہاں جمع ہوتے ہیں ۔ اور اس وقت کے ہمارے اوپر حقوق ہیں ۔ جو وقت گذر گیا وہ دوبارہ نہیں لوٹ سکتا ۔ وقت ہمیں بزبان حال پکارتا ہے ۔ کہ میرا تمام حصہ ذکر حق ، فکر حق اور اطاعت وعبادت میں مشغول کرو ۔ اگر وقت یاد خدا اور بندگی حق میں گذار دیا ـــــ (جیساکہ یہ مبارک وقت ہے) تو یہ وقت کے حقوق کی ادائیگی ہوگی ۔ دوسرے الفاظ میں یہ نعمت وقت کا حق تشکر ہے ۔ اور اگر وقت کو معصیت میں غفلت میں صرف کیا گیا تو وقت پکارتا ہے ، اے غافل ! توبہ کر ، اللہ تعالیٰ کی طرف تمام تر توجہات مبذول کر کے اس کے ساتھ تعلق پیدا کر ۔ ہم نہ تو توبہ کرتے ہیں ، نہ انابت الی اللہ صرف زبانی توبہ ہے ۔ قلبی توبہ نہیں ۔

توبہ کی حقیقت | زبان کی توبہ تو ہر وقت زبان پر ہے ، بلکہ بعض لوگ توبہ کرتے وقت دائیں کان سے بائیں کان تک ہاتھ لے جاتے ہیں ۔ اور ہزار بار توبہ کہتے ہیں لیکن دل بدستور غافل ہوتا ہے صرف زبان پر استغفر اللہ ہوتی ہے ۔ ادھر حالت یہ ہوتی ہے ۔ کہ ذوق گناہ اور لذات معصیت میں اتنے بے ہوش ہوتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی نہ چھوٹے ۔ ڈاڑھی مونڈائیں گے بشکل و

صورت غیر اسلامی، تہذیب و تمدن غیر شرعی، انگریزی بال نہ ہٹا سکیں، نکٹائی کو گلے سے نہ پھینک سکیں۔ دعویٰ تو کریں محمد مصطفےٰ کی غلامی کا اور صورت و سیرت سے دشمنان رسولؐ، اعدائے اسلام کی غلامی عیاں ہوتی ہے۔

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید ز استغفارِ ما

ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر توبہ مگر دل میں گناہ کرنے کی لذت اور شوق۔ ہماری اس استغفار سے معصیت کو ہنسی آتی ہے۔

توبہ حقیقت میں وہ ہے جو دل کی تختی سے گناہوں کا میل کچیل اور ماسوی اللہ کے زنگ دھو ڈالے۔ التوبۃ الندامۃ۔ توبہ حقیقت میں شرمندگی اور کئے ہوئے گناہوں پر پشیمانی کا نام ہے۔ اور آئندہ کے لئے عہد کرنا ہے کہ اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق بسر کروں گا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتا رہوں گا۔ تب توبہ قبول ہوگی۔ آج بھی ان ایام کو غنیمت سمجھ کر توبہ کیجئے اپنی اوقاتِ عزیزہ کو ضائع نہ کیجئے۔

عہدِ سعادت اور موجودہ مسلمانوں کا عظیم تفاوت | اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کر کے آخرت کی زندگی کو سنواریں عصریت اور دہریت کا ایک سیلاب ہے۔ جو عالم اسلامی کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے بہا رہا ہے۔ یہ بہت باریک اور نازک ترین دور ہے۔ امام حسن بصریؒ جلیل القدر تابعی ہیں۔ صحابہؓ کو دیکھ چکے تھے۔ اپنے زمانے کے لوگوں کی بدخواہیوں کو دیکھ کر پکار اٹھے:

واللہ قد ادرکنا اقواماً لو رأیتموھم لقلتم ھؤلاء لا یومنون باللہ والیوم الآخر۔

"خدا کی قسم ہم نے ایک ایسی پاکباز اور صالح جماعت کو دیکھا ہے۔ اگر وہ تمہیں دیکھ لیں تو چیخ اٹھیں کہ یہ لوگ خدا اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔"

یہ اس عہد کی حالت تھی۔ جسے خیر القرون کی مجاورت اور قرب کا شرف حاصل تھا۔ آج ہم کس دور سے گذر رہے ہیں اس کا اندازہ لگائیں۔؟

حسن بصریؒ کا یہ قول علامہ امام شعرانی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب لطائف المنن میں ذکر کیا ہے۔

محبتِ دنیا تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے | صوفیا و مشائخ دین ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک خدا رسیدہ بزرگ نے کہا کہ ہم تو لوگوں کی اصلاح کر رہے ہیں، اور تمام ناجائز امور سے توبہ کر چکے ہیں۔ مگر ایک چیز سے ہم نے ابھی تک توبہ نہیں کیا، آؤ سب مل کر اس سے

بھی توبہ کریں۔

ساتھیوں نے عرض کیا وہ کونسی چیز ہے۔ فرمایا: حب الدنیا۔ وہ چیز دنیا کی محبت ہے۔ جس میں ہماری اکثریت مبتلا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ "دنیا تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے"۔ صوفیائے کرام نے حدیث نبوی کے ساتھ یہ جملہ اضافہ فرمایا ہے: وترکہا مفتاح کل فضیلۃ: "دنیا کی محبت کو چھوڑنا تمام فضیلتوں کی کنجی ہے"۔ یہ دنیا ساحرہ ہے۔ اور اس کا سحر ہاروت و ماروت کے سحر سے کئی درجہ بڑھ کر مضر اور خطرناک ہے۔

فان سحر ہاروت وماروت یفرق بین المرء وزوجہ۔ وھذہ الساحرۃ تفرق بین العبد وربہ

ہاروت ماروت کا سحر تو میاں بیوی کے درمیان جدائی کا باعث تھا اور یہ دنیا مخلوق کو خالق سے کاٹتی ہے ــــ عبد اور معبود کے تعلقات کو توڑتی ہے۔ آج لوگ کیوں عیسائی بن رہے ہیں، کیوں مرزائیت و پرویزیت کو اپنایا جارہا ہے۔ معمولی رقم، معمولی گندم، علاج معالجہ کی خاطر یہ دین فروشی دنیا کا سحر نہیں تو اور کیا ہے۔ ان دین فروش ظالموں کو بخوبی معلوم ہے کہ یہ زندگی چند سالہ زندگی ہے۔ اس زندگی کو بہتر بنانے کے لئے آخرت کی دائمی زندگی سے اپنے آپ کو محروم کر دیتے ہیں۔ اور دنیا کی فانی لذتوں کے لالچ میں آخرت کی دائمی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں ــــ تمہیں بار بار مشاہدات سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیا اور دنیا کی نعمتیں فانی ہیں۔ آخرت اور اسکی نعمتیں باقی ہیں، آخرت کی نعمتوں سے اگر انسان محروم رہ گیا تو اسکی تلافی کبھی بھی نہ ہو سکے گی۔ اور دنیا کی نعمت سے اگر انسان محروم رہ جائے تو اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اخروی نعمت کا خلف نہیں اور دنیوی نعمت کا خلف موجود ہے۔ اگر کسی کا بیٹا مر گیا، تو اللہ تعالیٰ دوسرا بیٹا عطا فرمائے گا۔ اگر بیوی مر گئی تو دوسری بیوی مل جائے گی۔ مال ہاتھ سے چلا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ اور مال دے دیگا۔ اسی طرح دنیوی نعم کے فوت ہو جانے سے ان کے بدلے اور نعمتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مگر آخرت کی نعمتوں کا خلف نہیں۔ وہ نعمتیں باقی ہیں جو چیز باقی ہو اس کا خلف نہیں ہوتا۔ ایک صوفی شاعر نے فرمایا ہے:

نہیں بار بار مشاہدات سے معلوم ہو گیا ہے
کہ دنیا اور دنیا کی نعمتیں فانی ہیں۔ آخرت
اور اسکی نعمتیں باقی ہیں۔ آخرت کی نعمتوں
سے اگر انسان محروم رہ گیا تو اسکی تلافی
بھی نہ ہو سکے گی۔ اور دنیا کی نعمت سے
اگر انسان محروم رہ جائے تو اس کا تدارک
ہو سکتا ہے کیونکہ اخروی نعمت کا خلف
نہیں اور دنیوی نعمت کا خلف موجود
ہے۔

لکل شیئٍ اذا فارقتہ خلفٌ ، ولیس للہ ان فارقت خلفٌ

لکل شیئٍ اذا فارقتہ عوضٌ ولیس للہ ان فارقت عوضٌ[1]

تو آخرت کی دائمی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کے ان فانی نعمتوں کو مول لینا دنیا ہی کا سحر ہے۔ ہر قسم کے گناہ اس دنیا کے ساتھ محبت رکھنے کے سلسلہ میں سرزد ہوتے ہیں۔ اسی محبت دنیا نے ابوجہل کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم کر دیا

ابوجہل کی گمراہی کی وجہ | سیرت و تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔ کہ جب غزوۂ بدر میں حضور نبی کریمؐ صحابہ کرامؓ کی صف بندی کر رہے تھے۔ ادھر مدمقابل میں ابوجہل مشرکین مکہ اور کفار عرب کو مسلمانوں سے مقابلہ میں صفوں میں مرتب کر رہے تھے۔ اتنے میں امیہ بن خلف ابوجہل کے قریب جا کر کہنے لگے، کہ بھائی ابوجہل ہم تو لڑائی کے لئے گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔ اور خوب ڈٹ کر لڑیں گے۔ صرف اتنا بتا دیجئے کہ محمد مصطفٰیؐ نبی ہیں، یا نہیں ——؟ ابوجہل نے جواب دیا، کہ یقیناً نبی ہیں، ان کی نبوت میں ذرا برابر شک نہیں۔ لیکن اگر ہم ان کی رسالت و نبوت تسلیم کریں، تو ہم سے ہماری موجودہ وجاہت دنیا کا یہ جاہ و جلال اور مال و متاع چلا جائے گا۔ پس ابوجہل اس دنیا کی محبت میں مدہوش ہونے کی بدولت دولت اسلام اور نعمت ایمان سے محروم رہ گیا۔ بزرگوں کا یہ جملہ بالکل درست ہے: فان ھذہ السعادۃ تفرق بین العبد وربہ۔ یہی دنیا باپ اور بیٹے، بیٹے اور باپ کے درمیان عداوت ڈالتی ہے۔ اسی دنیا کی محبت کی خاطر بھائی بھائی کو، بیوی شوہر کو، باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔

مسلمانو! اس دنیا کی محبت دل سے نکال دو۔ اپنے اوقات کو خالق حقیقی اور منعم حقیقی کی یاد میں اور اسی کی فکر میں لگا دو۔ پھر افسوس کرو گے۔ پچھتاؤ گے۔ مگر ندامت و حسرت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

مسلمانو! اس دنیا کی محبت دل سے نکال دو۔ اپنے اوقات کو خالق حقیقی اور منعم حقیقی کی یاد میں اور اسی کی فکر میں لگا دو ... پچھتاؤ گے۔ مگر ندامت و حسرت کا کوئی فائدہ

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ خداوند کریم اہل جنت سے خطاب فرمائیں گے۔ اے اہل جنت۔ تم کیا چاہتے ہو۔ جنتی کہیں گے: اے باری تعالیٰ! یہاں تو کسی چیز کی کمی نہیں البتہ ہمیں ایک چیز کی خواہش ہے۔ وہ یہ کہ

---

[1] دنیا کی ہر جدا ہونے والی چیز کا بدل اور قائم مقام مل جاتا ہے۔ مگر اللہ جل مجدہ سے جدا ہو جانے کا کوئی بدل اور تدارک ممکن نہیں۔ ۱۲ (سمیع الحق)

ہمیں پھر دنیا کیطرف واپسی کا موقعہ دیا جائے۔ تاکہ جو اوقات ہم نے غفلت اور معصیت میں ضائع کئے ہیں، ان کے بدلے اور اوقات تیری یاد اور تیری عبادت میں لگالیں۔ لا یتحسّر اھل الجنۃ علی شیءٍ الا علیٰ ساعاتٍ مرّت علیہم بالغفلۃ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اہل جنّت کو صرف ان لمحات پر حسرت ہوگی جو غفلت و بے پروائی میں گذرے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ اب تمہیں واپسی کی اجازت نہیں۔ تم دنیا ہی میں کیوں اپنے اوقات عزیزہ کو میری عبادت میں صرف نہ کرتے تھے۔ میں نے پیغمبروں کو بھیجا، علماء دین اور اہل اللہ نے تمہیں اللہ کی یاد اور اس کی اطاعت کی طرف بارہا بار توجہات دلائے۔ اب تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ یہ حالت ان لوگوں کی ہے جو جنت کو پہنچ چکے ہیں۔ ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جنہوں نے دنیا کو اپنے سینوں سے چمٹائے رکھا۔ آخرت کو پس پشت ڈال دیا۔ مگر دنیا کی محبت سے ایک سیکنڈ بھی غافل نہ رہے۔ آج ہم اپنے اوقات کو دنیا کے کمانے میں صرف کر رہے ہیں۔ ہمیں اس کا فکر نہیں کہ مرنے کے بعد ہم کیا اثرات چھوڑیں گے۔

اولاد کی بربادی کا وبال والدین کے سر پہ | ہم خود دین سے غافل، ہماری اولاد دین سے بے فکر۔ ہمارا ماحول دنیا پرست، اپنی اولاد کو انگریزی پڑھا پڑھا کر ان کو دھری بنا لیتے ہیں۔ خدا اور رسول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ پھر ماں باپ نے جو دولت حلال کی کمائی ہو تو والدین کے مرنے کے بعد یا ان کی زندگی میں اولاد اسے حرام مصارف اور عیاشیوں میں اڑا دیتی ہے جس کا باعث ماں باپ ہوئے تھے جس کا وبال بھی والدین ہی کے سر پہ ہوگا۔ اس رذیل دنیا کی خاطر اپنی اولاد کو انگریزی کی تعلیم دلائی جاتی ہے تاکہ وہ تعلیم یافتہ ہوکر دولت کے جائز اور ناجائز ذخیرے جمع کر دیں۔

اسلام کی قدر و قیمت | ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اسلام کی گرانمایہ نعمت کو محفوظ رکھیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے لالچ میں ہم سے یہ بے بدل نعمت سلب ہو جائے۔ دنیا تو ایک رذیل اور دنی چیز ہے۔ دنیا میں کھیل ہے۔ التکبیرۃ الاولیٰ خیر من الدنیا وما فیہا۔ ایک تکبیر تحریمہ کو امام کے ساتھ ادا کرنا کائنات دنیا اور دنیا میں جو نعمتیں موجود ہیں سب سے بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے حق میں فرمایا: حلالہا حساب وحرامہا وبال۔ حلال کی کمائی کا حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور حرام دنیا تو عذاب اور وبال جان ہے ہی۔

دنیا کی حقیقت | اکثر دنیا دار اغنیاء، امراء لوگوں کو فقیروں، درویشوں اور اولیاء اللہ کی صحبت کا شرف نصیب نہیں ہوتا۔ امیر لوگ اس قسم کی مجالس کو نہیں آتے۔ یہ کیا ہے؟

یہ دنیا کی محبت ہے۔ کلا ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی " یہ تمام طغیان اور سرکشی احکام خداوندی سے حکم عدولی کرنے کی وجہ سے ہے۔" الدنیا حلوۃ خضرۃ ساحرۃ " دنیا ذائقہ میں میٹھی محسوس ہوتی ہے اور دیکھنے میں سرسبز و شاداب اور خوش منظر ہوتی ہے مگر حقیقت میں مکار اور ساحرہ ہے۔ اس دنیا کی محبت سے توبہ کرو۔ آخرت کو حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ کا ذخیرہ اور توشہ مہیا کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔ آخرت کی دائمی آرام و راحت اور خوشیوں کی تلاش میں اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ لموضع شبر فی الجنۃ خیر من الدنیا وما فیہا جنت میں ایک بالشت مقدار جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ وہاں کی ایک حور کی چٹکی کی قیمت دنیا و مافیہا سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کامل ان اس کے ارادے وسیع ہیں۔ وہاں معاملہ کن فیکون کا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اپنی اور اپنی اولاد کی اصلاح کریں۔ یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔" اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور ڈراؤ" حضرت ابن عباسؓ حبر الامت، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے : ای بتقوی اللہ وامتثال ما امر اللہ بہ واجتناب مانھی اللہ عنہ ۔" یعنی اہل و عیال کو خدا سے تقویٰ اور اس کے اوامر کی امتثال اور منہیات خداوندی سے اجتناب کے ذریعہ جہنم سے بچاؤ۔"

بعض ایسے افعال ہیں ان کے متعلق ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ ان کو ادا کرو۔ اور بعض ایسے افعال ہیں جن سے ہمیں باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے، تو مامورات پر عمل کرنا اور منہیات سے بچنا دائمی وبال سے اپنی جانوں کو محفوظ کرتا ہے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے : الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ۔" تم میں سے ہر ایک راعی اور نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

نعمتوں کی باز پرس | بادشاہ سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ کہ میں نے تجھے سلطنت و حکومت اور تخت و تاج سے سرفرازی بخشی تھی رعیت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں دی تھی۔ آپ نے رعیت کی کیا خدمت کی، شرعی قوانین کو کس حد تک جاری کیا۔ ضلعدار سے ضلع کے لوگوں کا اور تحصیلدار سے اپنے علاقہ اور گاؤں کے چودھری سے اپنے گاؤں

کے باشندوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خاوند سے بیوی اور باپ سے۔ بچوں کے متعلق دریافت کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے آپ کو اولاد کی نعمت بخشی تھی۔ آپ نے ان کو کس راستہ پر لگایا تھا۔ دینی مدارس کو بھیجا تھا۔؟ تاکہ وہاں قرآن مجید اور اسلامی علوم سیکھیں۔ یا انگریزی سیکھنے کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور اگر کسی شخص کی بیوی بھی نہ ہو، اولاد بھی نہ ہو، مال و متاع بھی نہ ہو تو اس سے اس کے اعضاء کے متعلق پوچھا جائے گا کہ میں نے آپ کو دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، آنکھیں وغیرہ اعضاء دیئے تھے۔ آپ نے ان اعضاء کو اطاعت و عبادت میں صرف کیا، یا نافرمانی میں ضائع کیا۔ ان السمع والبصر والفواد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا۔ کان اور آنکھ، دل ان تمام نعمتوں کی باز پرس کی جائے گی۔ ہمارا کتنا بڑا مہربان خدا ہے جس نے ہم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کی بارشیں برسائی ہیں۔

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

وقت کی تلوار نے کاٹ دیا | تو میں عرض کر رہا تھا کہ قیامت کے دن پہلا سوال زندگی کے متعلق ہوگا۔ الوقت سیف اما تقطعہ اولیقطعک۔ "وقت ایک تلوار ہے، یا تو آپ اس تلوار کو کاٹ دیں گے یا تلوار آپ کو کاٹ دے گا"

صد افسوس کہ وقت کی اس تلوار نے ہمیں کاٹ ڈالا۔ اب بھی فرصت ہے توبہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لو۔ ورنہ اگر سکرات الموت شروع ہو گئیں، تو پھر توبہ کارآمد ثابت نہ ہوگا۔ اتباع سنت، عمل صالح اور اہل اللہ علمائے ربانی کی صحبت کارآمد ہوگی۔

دوسرا سوال | قیامت کے دن دوسرا سوال جوانی کے متعلق ہوگا۔ وعن شبابہ فیما ابلاہ۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ میں نے آپ کو جوانی دی تھی۔ آپ نے یہ جوانی کس چیز میں بسر کر دی۔ جس طرح کپڑا جب نیا ہوتا ہے تو مضبوط ہوتا ہے۔ اور جب پرانا ہو جاتا ہے۔ تو کمزور ہو جاتا ہے۔ اسیطرح جوانی بھی کپڑے کی طرح رفتہ رفتہ پرانی ہوتی جاتی ہے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے:

اغتنم خمساً قبل خمس شبابک	پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت
قبل ھرمک وصحتک قبل	جانو۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے
سقمک وغناک قبل فقرک	پہلے صحت کو، مفلسی سے پہلے تونگری کو،
وفراغک قبل شغلک وحیاتک	مشغول ہونے سے پہلے فرصت کو اور موت
قبل موتک۔ (ترمذی شریف)	سے پہلے زندگی کو۔

جوانی ایک نعمت ہے۔ اسی حالت میں بندگی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول ہونا سعادت ہے۔ بڑھاپے میں تو مجبوراً توبہ کرنا پڑتا ہے۔ جوانی میں خدا کیطرف توجہ کرنا جہادِ اکبر ہے۔ اسی طرح زندگی اور صحت بھی نعمت ہے۔ اور تونگری میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا کمال ہے۔ فقیری میں مبتلا ہونے سے قبل امیری کو نعمت سمجھنا چاہیئے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: کاد الفقران یکون کفرا۔ (بسا اوقات فقیری کفر کی باعث ہوتی ہے۔) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اعوذ باللہ من الکفر والفاقۃ والفقر۔ خدا سے پناہ مانگتا ہوں کفر اور فاقہ اور فقر سے (الحدیث) غریب بوجہ تکالیف بسا اوقات کلمات کفر استعمال کر لیتے ہیں۔

تیسرا سوال | تیسرا سوال مال کے متعلق ہوگا۔ وعن مالہ من این اکتسبہ۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے یہ مال کہاں سے کمایا ہے۔ حلال طریقہ سے کمایا ہے یا حرام ذرائع سے سمیٹ لیا ہے۔

اصلاح اعمال کیلئے اکل حلال کی ضرورت | علامہ حافظ منذریؒ نے اپنی کتاب "الترغیب والترہیب" میں لکھا ہے۔ اگر کسی نے کپڑا لیا اس میں نو حصے حلال کے ہوں اور ایک حصہ حرام کا ہو، اور وہ اس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ انسان کے معدہ کی مثال حوض جیسی ہے۔ اگر حوض یا تالاب کا پانی میٹھا ہو، تو جس باغ کو اس پانی سے سیراب کیا جائے گا تو وہ باغ میٹھا پھل دے گا، اور اگر اس پانی میں کڑواپن یا شوراپن ہو تو میوہ اور پھل میں بھی کڑواپن پایا جائے گا۔ تو اسی طرح معدہ میں اگر حلال کا رزق ہو تو اس کا اثر خون میں ہوگا۔ اور انسان سے اچھے اعمال شریعت کے موافق زندگی، میٹھی باتیں سرزد ہوں گی۔ اور اگر معدہ حرام مال سے متعفن ہو گیا ہو۔ اور اعضاء کو (جو کھیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔) معدے کے اس گندے حوض سے سیراب کیا گیا ہو۔ تو سیاٰت اور منکرات اور صادر ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل اکثر لوگوں کے کام غلط ہوتے ہیں۔ اگر انسان حضور اور خشوع سے وضو کرتے تو اس کی نماز میں بھی خضوع خشوع اور حضور کامل ہوگا۔ اگر رزق چوری ڈکیتی، سینما وغیرہ سے جمع کیا ہو تو وہ شراب نوشی، زنا کاری، سگریٹ، حقہ نوشی، سینما بینی وغیرہ میں صرف ہوگا۔ اور جائز محنت و مشقت، حلال کی مزدوری اور ملازمت، صحیح تجارت سے کمایا ہوا مال ہو۔ تو وہ صحیح مصارف میں خرچ ہوگا۔

چوتھا سوال | چوتھا سوال یہ ہوگا۔ واین النفقتہ ؟ تو نے مال کس مصرف اور کس جگہ خرچ کیا تھا۔ تھیٹر اور سینما دیکھنے میں صرف ہوا تھا۔ یا کہیں مسجد، دارالعلوم یا دیگر دینی امور میں خرچ کیا تھا۔ اگر جائز مصرف میں لگا دیا تھا۔ جیسے مسجد، دارالعلوم وغیرہ۔ تو صدقہ جاریہ ہوا۔ قیامت

تک اجر اس کے عمل نامے میں لکھے جائیں گے، مسجد میں لوگ نماز پڑھیں گے، دارالعلوم میں طلبہ علم دین حاصل کرکے علماء بنیں گے۔ اور دنیا کے اطراف واکناف میں پھیل کر قرآن وحدیث میں کی اشاعت وحفاظت کریں گے جس کا ثواب دارالعلوم بنوانے یا اس کے ساتھ امداد کرنے والوں کو برابر پہنچتا رہے گا۔

دنیاداروں کو نصیحت | افسوس کہ آج اکثر مسلمانوں کا مال سینما تھیٹروں میں صرف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمادے کہ حلال مال کما کر جائز مصارف میں خرچ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا مثلہ فی الجنۃ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر مسجد تعمیر کی، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں بنانے والے کو جنت میں اس مسجد جیسا گھر بنا دے گا۔ مثلہ میں مثلیت نفس بناء میں ہے۔ مثلیت فی الکمیۃ والکیفیۃ مراد نہیں کمیت میں مشابہت اس لئے نہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ لموضع شبر فی الجنۃ خیر من الدنیا وما فیہا۔ جنت میں ایک بالشت جگہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ مثلیت فی الکیفیۃ اس لئے نہیں کہ کل حسنۃ بعشر امثالہا۔ یعنی ہر نیکی کے بدلے دس گنا اجر ہے، تو تشبیہ نفس بناء میں ہے۔

پانچواں سوال | علماء سے پانچواں سوال علم کے متعلق ہوگا۔ وعن عالم ماذا عمل فیما علم۔ عالم سے پوچھا جائے گا۔ کہ آپ نے علم جیسی نعمت کا شکریہ ادا کیا۔ علم کا تقاضا عمل ہے، آپ نے اپنے علم پر کس حد تک عمل کیا۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عویمرؓ کو فرمایا، کہ قیامت کے دن آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے کونسا عمل کیا ہے۔ اور اگر آپ جواب دیں کہ میں جاہل ہوں، تو آپ سے بازپرس ہوگی، کہ آپ نے علم کیوں حاصل نہ کیا۔ دونوں حالتوں میں جواب دینا پڑے گا۔

طالب علموں کو نصیحت | طالب علم بھائیو! علم حاصل کرو۔ اور اس پر عمل کیا کرو۔ اور عمل کے ساتھ اخلاص شامل کرو۔ انسان عمل کی بدولت اشرف المخلوقات ہے۔ عمل نہ ہو تو انسان وحیوان میں کچھ فرق نہیں۔ میرے حضرت الشیخ فرمایا کرتے تھے کہ بے عمل انسان سے پیاز اچھا ہے۔ پیاز کو اگر کوٹو تو اس سے پانی نکل کر اس کی بدبو پھیل جائے گی۔ اور انسان کو اگر کوٹو تو اس سے خون اور بدبو پھیل جائے گی۔ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہتر متقی ہیں۔ حقیقت میں دارومدار تقویٰ پر ہے۔ بہت سے بدقسمت مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں رہتے ہیں۔

مگر ان میں تقوٰی نہیں۔ ڈاڑھیاں منڈواتے ہیں، سگریٹ پیتے ہیں۔ اگرچہ شرف جوار اور حرمین شریفین کی ہمسائیگی کی سرفرازی ان کو حاصل ہے۔ مگر تقوٰی سے بے بہرہ ہیں۔

علم عمل اور اخلاص کا روح | المهاجر من هجر ما نهى الله عنه۔ مہاجر تو وہ ہے جس نے ممنوعات خداوندی کو ترک کیا۔ جسم کے لئے روح باعث حیات ہے۔ اور روح کے لئے روح علم ہے۔ علم کا روح عمل ہے۔ اور عمل کا روح اخلاص ہے۔ اور اخلاص کے لئے روح عدم رویتہ الاخلاص فی اخلاصہ۔ کہ اپنے اخلاص میں بھی اخلاص نظر نہ آئے ــــ یکون مخلصاً ولا یظن نفسہ مخلصاً۔ مخلص ہونے کے باوجود اپنے کو مخلص نہ سمجھے ــــ اخلاص کے بعد خود بخود خشیت من اللہ نصیب ہوگی۔ علم، عمل، خشیت اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

خدا کی شانِ رحمت و بے نیازی | ان اللہ لغنی عن العالمین۔ اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ چاہے تو ایک نکتہ پر مؤاخذہ فرماوے۔ چاہے تو ایک نکتہ پر مغفرت و رحمت سے نوازے ــــ امام غزالیؒ بہت بڑے عالم اور صوفی گذرے ہیں۔ بغداد میں انہوں نے دارالحدیث بنائی تھی۔ کئی جگہ انہوں نے قرآن و حدیث کے درس دئے۔ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت جیسی بلند پایہ تصانیف کیں۔ کسی نے ان کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، اور امام غزالیؒ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسے بخشا، تو امام غزالیؒ نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں میری پیشی ہوئی تو باری تعالیٰ نے پوچھا غزالی تو نے کیا کیا۔ میں نے جواب دیا، کہ قرآن و حدیث کے درس دئے، تصنیفات کیں۔ تو خداوند کریم نے فرمایا کہ یہ تو کچھ عمل نہیں۔ آپ نے تو اپنی علمی خواہش پوری کی۔ عالم ربانی تو یہ چاہتا ہے کہ وہ کسی مسئلہ کو بیان کرے۔ عالم کی انگلیاں کسی تحریر و کتابت کی تلاش میں ہوتی ہیں۔ کیا تدریس و تالیف کے علاوہ بھی اور کوئی عمل ہے۔؟ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں خاموش رہا، اور بدن پر خوف و خشیت کے مارے لرزہ طاری ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی سے جواب ملا کہ غزالی مت ڈر! ایک دن آپ کچھ لکھ رہے تھے آپ نے جب قلم دوات سے اٹھائی تو اس پہ ایک مکھی بیٹھ گئی۔ آپ نے قلم کو جنبش نہ دی، اور آپ نے کہا کہ مکھی بھوکی پیاسی ہے۔ سیاہی پی کر سیر ہو جائے گی۔ میں نے آپ کا وہ عمل قبول کر کے آپ کو بخشدیا ہے۔ سبحان اللہ۔

جنید بغدادیؒ کا واقعہ | حضرت جنید بغدادیؒ جب انتقال کر گئے تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ ما صنع اللہ بلک۔ تو حضرت جنید بغدادیؒ نے جواب دیا، کہ وہاں تو کچھ کام نہ آیا۔ مگر چند ٹوٹی پھوٹی رکعات کام آگئیں۔ الا رکیعات۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ عمل مقبول ہے جس میں اخلاص و للہیت ہو۔

یہی اخلاص ہی کی وجہ سے انسان میں خشیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر انسان اپنی ہستی کو نیستی سمجھنے لگتا ہے۔

نیستی ما باعث ہستی ما   پستی ما باعث سربلندی ما

علماء کو نصیحت اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل، اخلاص اور خشیت نصیب فرماتے۔ علم تھوڑا عمل زیادہ ہونا چاہئے۔ حضرت امام مالکؒ بہت بڑے عالم اور امام مذہب ہیں۔ احادیث پڑھایا کرتے تھے۔ اپنے شاگردوں کو ہر وقت یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اجعلوا العلم ملحًا والعمل دقیقًا۔ علم نمک جتنا اور عمل آٹے کے مقدار میں۔ جسطرح آٹے اور نمک کی نسبت ہے۔ اسی طرح علم اور عمل کے درمیان نسبت رکھنی چاہئے۔ علماء کو عمل ہی کی بدولت کامیابی ہوگی۔

تعلق علم و خشیت اور علماء کے نکتے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس آیت کریمہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کے ذیل میں لکھا ہے بیشک اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ علماء اس آیت پر فخر کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے لئے یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ آیت علماء کے حق میں وعدہ نہیں وعید ہے۔ کیونکہ خشیت کو عالم کے ساتھ لازم قرار دیا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم وابستہ ہے۔ حضرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ مصنف فتح الباری دمشق میں ایک دن احادیث پڑھا رہے تھے۔ کسی عالم نے آیت انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کے متعلق پوچھا کہ اس آیت سے تو حصر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔ اور دوسری آیت میں آیا ہے: ذالک لمن خشی ربہ۔ یہ جنت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ تو نتیجہ ظاہر ہے کہ صرف علماء ہی جنت میں جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ تو محدث موصوف کافی دیر تک خاموش رہے۔ اور بالآخر انہوں نے کہا کہ علماء سے مراد الموحدون ہیں۔ یعنی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ای الموحدون۔ تو اس بنا پر جنت موحدوں کے لئے ہے۔ اس توجیہ سے تعمیم ہوجاتی ہے۔ مگر میرے دل میں یہ نکتہ جاگزیں نہ ہوا کیونکہ یہ آیت علماء کی مزیت و فضیلت بیان کرنے کے متعلق اتری جو کہ شان نزول سے ظاہر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک نکتہ کا القاء کیا کہ: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء میں خشیت سے مراد الخشیۃ المطلقۃ الکاملۃ ہے۔ لا مطلق الخشیۃ اور الخشیۃ المطلقۃ الکاملۃ صرف علماء ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ اور ذالک لمن خشی ربہ میں خشیت سے مراد مطلق الخشیت ہے۔ تو جنت ان لوگوں کیلئے ہے جن کے دلوں میں مطلق خشیت ہوگی۔ اس صورت میں جو آیت

علماء کی فضیلت میں اتری ہے۔ اپنی حالت پر رہ گئی۔

علم کے ساتھ ادب کی ضرورت | اللہ تعالیٰ ہمیں علم وعمل اور علم کے آداب نصیب فرمائے علم کے ساتھ ادب لازم ہے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ میں نے اٹھارہ سال ادب سیکھنے میں صرف کئے اور دو سال علم حاصل کرنے میں۔ مگر افسوس ہے۔ کاش! یہ دو سال بھی ادب ہی میں گذارتا ہے

ادب تاجیست از لطف الٰہی　　　بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

بے ادب خود را نہ تنہا ساخت بد　　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

اللہ تعالیٰ وہ علم ہمارے دلوں میں جاگزیں فرما دے، جو مسلمانوں کی یگانگت اتفاق واتحاد کا باعث ہو۔ ایسا علم جو کہ مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور اختلافات پیدا کردے، وہ علم نہیں۔

ے　تو برائے وصل کردن آمدی　　　نے برائے فصل کردن آمدی

اتحاد اور اتفاق پر زور | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اوس اور خزرج کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مخالف ہو رہے ہیں۔ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میری جماعت بڑھ جائے۔ ہر پیر یہ چاہتا ہے کہ میرے مرید زیادہ ہوں۔ ہر عالم اس تلاش میں ہے کہ میرے شاگردوں کی تعداد بڑھ جائے۔ ایسے علوم سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، ایک عالم ربانی وہ کام کر سکتا ہے جو کئی علماء نہیں کر سکتے۔

یہ دار العلوم باغ محمدیؐ ہے | وقت زیادہ گذر گیا، تین بج گئے آپ کے ساتھ میرا وعدہ تھا کہ تین بجے دار العلوم حقانیہ سے روانگی ہو گی، اس لئے اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ایسا مدرسہ بنا دے کہ اس سے علمائے حقانی نکلیں۔ جسطرح یہ مدرسہ حقانیہ ہے، اسی طرح حق کے علماء اس سے نکلتے رہیں جو حق بیان کرنے میں کسی سے نہ ڈریں۔ اور لایخافون لومۃ لائم کے مصداق بن جائیں۔ خاصکر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ، کے علم میں ان کی عمر میں اور ان کی اولاد کے علم میں برکت عطا فرما دے۔ آمین۔ دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ اور اس کے اراکین کو دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ یہ دار العلوم باغ محمدیؐ ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ مناسب ہے کہ ہر ایک مسلمان اس کو سرسبز و شاداب رکھنے کی کوشش کرے۔ میرے بس میں بھی یہی ہے۔ کہ اس کے لئے دعا کروں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی کامیابی وترقی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوار اور روضہ مبارک کے ساتھ دعائیں کرتا رہوں گا۔ العلم اساس علم تو بنیاد ہے، پھر علم القرآن والاحادیث۔ میں نے اپنے بیٹے اور اپنے طالب علموں

حضرات کو کچھ نصیحت کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عبادات میں اعتقادات میں معاملات میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع نصیب فرما دے۔ ہمیں غلامانِ مصطفیٰ بننے کی توفیق بخشے آجکل دعویٰ تو غلامانِ رسول کا کرتے ہیں، مگر صورت وسیرت میں یورپ کی غلامی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ جو اپنے گلے سے نکٹائی دور نہیں کر سکتا وہ کس منہ سے رسول کی غلامی کا دعویٰ کرتا ہے۔ الحمدللہ میری تبلیغ کامیاب ہے۔ کیونکہ نیت خالص للہ ہے۔ للنفس نہیں۔ اللھم وفقنا و نعتمہ لما تحب وترضیٰ واحفظنا واحفظہم واسترنا واسترھم۔ برحمتک یاارحم الراحمین۔

(پھر اس کے بعد حضرت مولانا مدظلہٗ نے نہایت تضرع والحاح سے جامع مانع دعا فرمائی اور اپنی جیب خاص سے تین صد روپے دارالعلوم کے زیر تعمیر مسجد کے لئے عطا فرمائے۔ اور سینکڑوں طالبانِ معرفت کو بیعت کی نعمت سے نوازا۔)

■■

پر پڑے گا جو ایک گھنٹہ محنت کی اُجرت ۲۵ پیسے وصول کرتے ہوں گے۔

ایک دوسری مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک جماعت کے سب افراد ۲۵ پیسے یومیہ کے حساب سے ایک خزانچی کے پاس رقم جمع کرتے ہیں اور سال بعد ہر شخص اپنی پس انداز کی ہوئی رقم وصول کرنے آتا ہے، اس وقت چند افراد ۵۰ پیسے یومیہ کے حساب سے رقم وصول کرتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ باقی افراد ۲۵ پیسے یومیہ سے کم فی کس رقم وصول کریں گے۔

کسی ملک کے تمام محنت کش سارا سال محنت کرتے ہیں اور جس قدر ان کی محنت سے دولت پیدا ہوتی ہے وہ ساری کی ساری منڈی میں دکانوں پر رکھ دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہر ایک کو کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے جتنی محنت کی ہے اس نسبت سے دکانوں سے دولت حاصل کرے اور اس مقصد کے لئے انہیں زر، روپیہ (جس کا دوسرا نام قوتِ خرید ہے) دے دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر بعض افراد کو انکی محنت کی زیادہ اُجرت ملی ہوگی تو وہ دکانوں سے زیادہ دولت خرید لیں گے۔ اور باقی دولت کی اور لوگوں کی قوتِ خرید یعنی طلب سے گھٹ جائے گی اور چیزوں کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ گویا ۲۵ پیسے میں ۲۵ پیسے کی مالیت کی چیزیں نہیں خریدی جاسکیں گی۔ جو شخص ۲۵ پیسے دے گا اُسے ۲۰ پیسے کی چیز ملے گی۔ یہ ناانصافی صرف اس لئے ہوئی کہ محنت کشوں کے ایک خاص طبقے کو معیار سے زیادہ اجرتوں سے نوازا گیا ہے۔

■■

اسلام کی غربت

اور

ہماری ذمہ داری

ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

خطبہ جمعۃ المبارک ۳۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بدء الاسلام غریباً وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء الذین یصلحون
ما افسد الناس من بعدی (اوکما قال علیہ السلام)

محترم بزرگو! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت اسلام کا آغاز ہو رہا تھا تو اس کی حالت ایک غریب ناآشنا مسافر جیسی تھی، لوگوں کو اسلام کی باتیں عجیب لگتی تھیں، حضورؐ اور صحابہؓ کی کوششوں سے یہ غربت اور اجنبیت ختم ہوگئی اور اسلام عالم میں پھیل گیا۔ جس طرح کہ ایک پودا پہلے زمین سے باریک، ورناتواں سا بال نکالتا ہے، بہت کمزور، پھر بڑھتے بڑھتے وہ بال اپنے تنے پر کھڑا ہوجاتا ہے، اس کی ٹہنیاں پھول اور میوہ ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور ایک مضبوط سرسبز وشاداب درخت بن جاتا ہے۔

کزرع اخرج شطأہ فآزرہ
فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ
یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار
(پ ۲۶ الفتح۔ رکوع ۴)

مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے
قوی مضبوط کر دیا پھر موٹی ہوگئی پھر اپنے تنا پر کھڑی
ہوگئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان کی
وجہ سے کفار کو غصہ دلادے۔

حضورؐ کی دعوت | یہی حالت اسلام کی تھی، مسلمان اپنی بستیوں میں مسافروں جیسے تھے۔ حضورِ اقدسؐ اور صحابہؓ کی مکی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اپنے عزیز اور قریب ترین لوگوں کو حضورؐ کی باتیں نا آشنا معلوم ہوتی تھیں۔ مکے کے میدان میں حضورؐ آگے آگے جا رہے ہیں۔ اور لوگوں کو دعوت دیتے ہیں جس کا حاصل یہ تھا کہ اے لوگو! آؤ ایک اللہ کی طرف، اس کے عبادت گذار بن جاؤ جس نے تمہیں وجود بخشا اور تمہاری دنیوی زندگی کی بقاء اور آسائش کی تمام ضروریات اور حوائج مہیا کئے اس اللہ کی بندگی شروع کرو جس نے تمہیں عبث مہمل اور بے کار نہیں بنایا، کوئی معمولی انسان بھی بلا مقصد اور بے فائدہ کام نہیں کرتا۔ تو اللہ نے کائنات کا یہ اتنا بڑا کارخانہ جب انسان کی خدمت میں لگا دیا ہے۔ آسمان سے زمین تک سب چیزیں انسان کی نشو و نما میں مشغول ہیں جو اس کے کھانے پینے رہنے سہنے اور پہننے کے حوائج پورے کر رہے ہیں۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض	اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین کی سب چیزیں
جمیعاً و سخر لکم ما فی السمٰوٰت	تمہاری خاطر پیدا فرمائیں اور آسمانوں اور زمین کی
وما فی الارض۔	سب چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا۔

تو کیا ایسا حکیم رب انسان کو بالکل بے کار اور بے مقصد بنا سکتا ہے۔ اگر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو تو پھر تو یہ ساری کائنات بے مقصد رہ جائے گی، تو حضورؐ دعوت دے رہے تھے کہ اس ملک الملک بادشاہ کی طرف آکر اسکی تابعداری کرو جو ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے، وہ جیسا چاہتا ہے اس طرح زندگی بسر کرو، تمدن اور معاشرت طرز رہائش کھانا پینا نکاح شادی موت، غمی اور خوشی تجارت زراعت حکومت سیاست یہ سب کچھ اس ذات کی مرضی کے مطابق کرو۔ جس نے تمہیں نیست سے ہست کر دیا۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ۔ اے لوگو کہہ دو کہ سوائے ایک اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ احد اور لاشریک ذات ہے جس کی عبادت کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا تھا۔

اس دعوت کا مقابلہ | حضورؐ کی یہ دعوت تھی اور یہ نعرہ تھا کہ اپنے خاندان کے لوگ پیچھے پڑ گئے اپنے چچا ابو لہب پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لوگو دیکھو اسکی باتوں میں مت آنا یہ تمہیں بت پرستی سے منع کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ سب خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی پیروی کرو۔ اجعل الآلھۃ الٰھاً واحداً۔ تعجب ہے کہ یہ شخص سب خداؤں کو مٹا کر اللہ کی طرف بلا رہا ہے۔

تو اسلام کی باتوں سے ابتدائی دور میں لوگوں کو ایسی وحشت تھی کہ صحابہؓ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، نہ صرف مکہ بلکہ ساری دنیا میں کافران کے پیچھے پڑ گئے اور جب چند مسلمان تنگ آکر اللہ کی بندگی کی خاطر حبشہ ہجرت کر گئے تو قریش مکہ کی ایک جماعت ان کے پیچھے حبشہ گئی اور وہاں کے بادشاہ نجاشی کو شکایت کی کہ ہمارے شہر کے چند نوجوان یہاں آکر تمہارے ملک کو خراب کر رہے ہیں۔ نیا مذہب اور نیا دین دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ نئی نئی باتیں آپ کے ملک کو بگاڑ دیں گی یہ خود سر قسم کے لوگ ہیں، انہیں ہمارے سپرد کر دو۔ بادشاہ عقلمند اور منصف مزاج شخص تھا۔ مسلمانوں کے قائد حضرت جعفر طیارؓ کو بلا کر اصل معاملہ دریافت کرنا چاہا اور پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے جواب میں اسلام کا خلاصہ پیش کر دیا کہ ہم ایک خشک ریگزار کے باشندے تھے ہمارا ذریعہ معاش لوٹ مار تھا۔ حشرات الارض سوسمار اور مردار اشیاء ہماری خوراک تھی ہر اچھے ڈھیلے اور پتھر کی ہم پرستش کرتے تھے۔ بت پرستی، شراب نوشی، جوا، سود خواری اور قتل مقاتلے پر فخر کرنا ہمارا شیوہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر اور قوم میں ایک اولوالعزم نبی بھیجا جسکی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے ہم نے ان سے بڑھ کر امانت دار اور سچا انسان دوسرا نہیں دیکھا۔ وہ الصادق الامین ہے وہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ بتوں کی بندگی چھوڑ دو مخلوق کچھ نہیں دے سکتی۔ نہ نفع نہ ضرر۔ جس ذات کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں، جس ذات نے ایک نطفہ سے انسان جیسے اشرف المخلوقات کو بنایا، جس کے قبضہ میں ہماری روح اور وجود ہے۔ معمولی سے معمولی نفع اور ضرر بھی اس کے ہاتھ میں ہے، اس سے مانگنا چاہیئے۔ صرف اللہ کی بندگی کرو، بت پرستی اور شرک چھوڑ دو، ہر انسان کا دوسرے پر حق ہے۔ اسے ہرگز جائز نہیں کہ کسی کے مال و دولت، تجارت، عزت و آبرو پر حملہ کر دے۔ وہ ہمیں باہمی حسن سلوک اور محبت کی تلقین کرتا ہے، اور شراب، زنا، سود سے روکتا ہے۔ حضورؐ نے ہمیں ان چیزوں کی تعلیم دی ہم اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلنے لگے۔ تو اب یہ لوگ ہمیں اس پر چلنے سے روکتے ہیں۔ نماز روزہ اور اسلام پر عمل کرنے نہیں دیتے۔ نجاشی کو یہ معلوم ہوا کہ ان باتوں کو تو کوئی شخص خلاف عقل نہیں کہہ سکتا۔ بت پرستی زنا اور شرک سے منع کرنے میں کیا قباحت ہے؟ اللہ کی طرف بلانے، برادرانہ سلوک، غرباء و مساکین کی مدد، رشتہ داروں سے صلہ رحمی، اور انسانیت کی قدر و احترام جیسی باتوں کے سکھلانے میں کونسی برائی ہے؟ پھر ان صحابہؓ کے حالات اور حسن خلق کا حال بھی اس کو معلوم ہو چکا ہو گا۔ تو نجاشی نے کفار مکہ کو خائب و خاسر واپس بھیج دیا۔

اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے بھائیو! واقعہ یہ ہے اسلام دنیا میں خوش اخلاقی ہی سے تو پھیلا ہے۔ اسلام سِلم سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی امن اور سلامتی ہے۔ ایسے شخص میں اسلام ہوگا جو امن کا مجسمہ اور سلامتی کا پتلا ہو۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ — مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک شخص زبان سے دوسروں کی برائی کرتا ہے، لوگوں کی عزت لوٹتا ہے، گالی گلوچ غیبت اس کا شیوہ ہے، ہاتھوں سے اوروں پہ ظلم کرتا ہے، وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ حضورؐ نے تو فرمایا کہ:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔ — مومن وہ ہے کہ دنیا کی ساری مخلوق اس سے اپنی جان اور اپنے اموال کے بارہ میں مطمئن اور بے فکر ہو۔

مومن اور مسلم تو وہ ہے جو سارے عالم کے لئے امن و سلامتی کا پیغام رساں ہو۔ اللہ جل مجدہ نے ایک موقع پر ہمیں مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ: ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّاکم المسلمین۔ کہ تم نے بیشک تمہارے روحانی والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے ــــ تو مسلم تو تب بنے گا کہ مسلم و سلامتی کا مالک ہو اور جسے اپنے روحانی دادا کے رکھے ہوئے نام کی لاج تو ہو۔

ہماری بقار کا دارومدار حضورؐ نے ھرقل و کسریٰ کو دعوت دی کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ۔ صحیح اسلام لے آؤ خداوند کریم دنیا و آخرت ہر موقع پہ تمہیں محفوظ کردے گا۔ آج اپنے ملک کی حالت دیکھو، صحیح اسلام نہیں تو کیسی بربادی اور تباہی ہو رہی ہے۔ اس وقت پاکستان کی بقار کا دارومدار بھی حضورؐ کے اسی ایک ارشاد میں ہے کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام لے آؤ تو بچ جاؤ گے۔

سلام عہد اور اقرار ہے اسی طرح جب مسلمان کسی مجلس میں جاتا ہے تو دوسروں کو السلام علیکم کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے بھائیو! میری طرف سے اس مجلس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اٹھتے وقت دوبارہ سلام کہہ دیتا ہے۔ کہ اب تمہاری ساری باتیں میرے پاس امانت رہیں گی، مخبری، جاسوسی، عیب جوئی اور بدخواہی یہاں کی چغل خوری اور غیبت نہیں کروں گا۔ یہ میری طرف سے تمہارے ساتھ عہد و اقرار ہے سلامتی کا۔

اسلام تو یہ کہتا ہے۔ مگر کیا آج ہم نے پھر اسی جاہلیت کے راستہ کو اختیار نہیں کیا جس سے حضورؐ نے ہمیں موڑ لیا تھا۔ الاماشاء اللہ کوئی خوش قسمت مسلمان ہوگا جسے اپنے سے زیادہ دوسرے

کا مال اچھانہ لگتا ہو۔ اکثریت کو دوسروں کے ساتھ مقدمہ بازی بحث و مباحثہ میں مغلوب کرنے مال و دولت میں نیچا دکھانے اور ہر طرح سے دوسروں کو ذلیل کرنے میں مزہ آتا ہے اور اس پر فخر ہوتا کہ آج میں نے اتنی بہادری دکھائی ۔۔۔ نام سے تو شرم کرو۔ نام تو مسلم اور مومن یعنی امن سلامتی اور صلح وصلاحیت والا، مگر کام دن رات قتل و قتال اور ضرب و اضرار۔

حسن اخلاق کا اثر | تو چند صحابہؓ نے حبشہ کے بادشاہ اور وہاں کے لوگوں کو حسن اخلاق سے اپنا گرویدہ بنالیا، اور چند افراد مسلمانوں کی ایک جماعت جاوا سماٹرا موجودہ انڈونیشیا بغرض تبلیغ گئی، وہاں تجارت اختیار کی اور ان چند چھوٹے اور معمولی تجار نے پورے ملک کو اپنے اعلیٰ اخلاق اور معاملات کی سچائی سے مسخر کر دیا، معمولی نفع پر سودا سلف بیچتے تھے۔ مقصد لوگوں کی خدمت اور اسلام کی تبلیغ تھی اور اگر ایک شخص مخلوق خدا کو نفع اور اس کی بھلائی کے خیال سے تجارت کرے تاکہ لوگوں کی ضروریات پوری ہوں اور مناسب نفع بھی ملتا رہے تو ایسی تجارت بلاشبہ عبادت ہے۔ ان چند سوداگروں کی حالت کو دیکھ کر مقامی تجار جو لوٹ کھسوٹ کے عادی تھے۔ ان کے مخالف ہو گئے، حکومت سے شکایت کی، ان کے پیچھے پڑ گئے کہ ان کو وطن سے نکال دو مگر جب عام لوگوں کو پتہ چلا جو ان کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے تو سب ان مسلمانوں کی پشت پر کھڑے ہو گئے اور انہیں ملک بدر کرنے والوں کا مقابلہ شروع کیا اور کہا کہ ہم کو بھی جلاوطن کر دو۔ تو حکومت نے مجبور ہو کر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور رفتہ رفتہ ان کی سچائی اور دیانتداری کو دیکھ کر پورا ملک مسلمان ہو گیا۔ اور آج گیارہ کروڑ افراد وہاں ان چند افراد کی بدولت مسلمان ہیں۔

ایمانی جذبہ اور امت کیلئے ایک سبق | الغرض کفار مکہ کا وفد حبشہ سے غصہ کھایا ہوا شکست خوردہ واپس ہوا تو ان کا غصہ اور جذبۂ عداوت، اور بھی بڑھ گیا، سختی اور تشدد اور بھی بڑھا دیا۔ حضورؐ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے انہیں ترغیب ترہیب کے ذریعہ اپنے بھتیجے کو روکنے کی کوشش کی مال و دولت اور حکومت اعلیٰ سے اعلیٰ رشتہ کرانے کی لالچ دی، مگر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تو عارضی اور فانی دنیا اور زمین کی چیزیں ہیں اگر آسمان کی چیزوں چاند اور سورج بھی میرے ہاتھوں میں رکھ دو تب بھی جب تک جان میں جان ہے اللہ کے دین اور اس کے احکام کو پیش کرتا رہوں گا۔ تو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ نے ایک سبق دیا اور وہ جذبۂ ایمان دکھلا دیا جس کے تحت امت کامیاب اور اسلام کی اجنبیت اور غربت ختم ہو جاتی ہے اگر مسلمان حکومت دولت اور دنیاوی لالچ اور خواہشات نفسانی میں آکر بک گئے۔ عیاشی اور فحاشی کے رنگ میں رنگ گئے، تو نتیجہ ذلت، ادبار اور

بربادی ہوگا، دنیا اسلام کی سچائیوں سے نامانوس ہی رہ جائے گی کہ جو قوم عیاشی اور دولت اور حکومت و سلطنت کی حرص میں اگر اسلام اور ایمان چھوڑ سکتی ہو وہ قوم ایمان اور اسلام کی خدمت ہرگز نہیں کر سکتی۔ اسلام کے ساتھ تو پورا عہد کرلو کہ میں نے اپنی جان، اولاد اپنا وطن اور سلطنت سب کچھ اللہ پر بیچ دیا ہے ___ تب بات بنے گی۔

صحابہ کرامؓ کی قربانیوں سے اسلام کی غربت ختم ہوئی | صحابہ کرامؓ ایمان پر جم گئے، لوگوں کے طعنوں، ہنسی مذاق اور سارے ماحول کی مخالفت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس طیب طاہر پاک اور صاف مخلصین کی جماعت کے ذریعہ اسلام کی ساری غربت اسکی عزت اور الفت میں بدل دی اور اسلام کو انڈونیشیا اور اندلس تک پہنچا دیا وہ لوگ بے سروسامان تھے مگر صحیح جذبہ مضبوط عزم اور سچے ایمان والے تھے کہ دنیا کچھ بھی کہے دولت سلطنت اور حکومت ملے یا نہ ملے دین کی اشاعت اور اس کے فروغ سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے۔ اس جذبہ اور استقامت کی بدولت اسلام دنیا میں پھیل گیا۔

غربت اسلام کی پیشنگوئی اور اس کا علاج | تو حضورؐ نے پیشنگوئی فرمائی کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ یہ دین پھر بالکل نامانوس ہو جائے گا، مسافر اور اجنبی کی طرح اسلام اور اسلامی شعائر سے ہنسی کی جائے گی جیسا کہ آج کہا جا رہا ہے کہ یہ کیا ملا نے ہیں　　زمانہ کی حالت آج پھر اس پردیسی مسافر جیسی ہو گئی ہے کہ اس کا ٹھکانہ ہو نہ بوریا بستر نہ گھر نہ سامان نہ کھانے پینے کا انتظام۔ ہر شخص اسے اجنبی نظروں سے دیکھتا ہے اور اس سے گریز کرتا ہے۔ ایسے وقت میں حضورؐ نے بشارت دی ہے ان لوگوں کو جو اسلام کو اپنائے ہوئے ہیں، اور لوگوں میں اجنبی اور نامانوس ہیں، رسول اللہ نے انہیں غرباء کہا اور فرمایا کہ خوشی اور کامیابی ہے ان لوگوں کو۔

الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی۔ جو لوگ ان چیزوں کی اصلاح کی جدوجہد میں لگے ہیں جنہیں میرے بعد لوگوں نے ضائع اور فاسد کر دیا۔ اسلام کی غربت کے دور میں اس کا علاج بھی بتلایا کہ جیسے اسلام کے ابتدائی دور میں اصلاح اور تبلیغ اور امر بالمعروف کی کوششوں نے اسلام کو مانوس بنا دیا، اب بھی وہی نسخہ ہوگا، کہ لوگ خرابی کی اصلاح میں لگ جائیں، حالات اور زمانہ کو نہ دیکھیں اگر ایسے وقت میں کسی نے اسلام کے لئے کچھ کیا تو غیبی مدد اسکی شامل حال ہوگی۔ دیکھئے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خدا کی مدد کیسے شریک رہی۔ قیصر روم نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کے ارادہ سے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ آکر تاک میں لگا رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کو جنگل میں ایک درخت

کے نیچے لیٹا ہوا پایا، تو درخت سے اتر کر حضرت عمرؓ کو قتل کرنا چاہا۔ درخت سے اترا تو ایک شیر کو حضرت عمرؓ کی حفاظت کرتے اور ان کے قدم چاٹتے پایا اور ڈر کر بے ہوش ہوگیا، جب ہوش آیا اور حضرت عمرؓ نے اس سے یہاں آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ میں تو اس بُرے ارادہ سے آیا تھا، مگر شیر کو آپ کی حفاظت کرتے دیکھا۔ یہ شیر کیسے آپ کے مسخر ہیں۔؟ آج تو اہل و عیال اور اپنے بیوی بچے بھی بیزار اور متنفر ہوتے ہیں۔ یہ حیوانات اور درندے کیسے مسخر ہوگئے۔؟ حضرت عمرؓ نے ابھی جواب نہیں دیا کہ غیب سے آواز آگئی کہ "اے عمر! تو دین کی خدمت کرتا رہ دنیا کی ہر چیز تیری تابعدار اور خادم ہو گی"

ایک حالت یہ تھی اور ایک اب ہے کہ ہمارے مال و دولت اور ہماری حکومتوں اور ہمارے ذہن و دماغ پر یہود اور عیسائی مسلط ہیں جو ذلیل سے ذلیل اقوام ہیں وہ ہم پر سوار ہیں۔ حالانکہ اسی کروڑ ہماری تعداد ہے، اللہ نے دس بارہ سلطنتیں دیں فوج اور دولت دی، زمین دی مگر ذلت کیوں ہے۔؟ اس لئے کہ اپنے مقصد بعثت کو چھوڑ دیا، زمین پر جو فساد اور بربادی پھیل گئی ہے اسے روکنے اور اسکی اصلاح کرنے کی بجائے خود بھی اسی کو اختیار کیا۔ اصلاح ما افسد الناس چھوڑ دی تو خدا نے دھتکار دیا۔

بچاؤ کی صورت خدا سے ربط فوج اور طاقت سے بچاؤ نہیں خدا سے جو بھی قوم جو ربط ہو تب بچاؤ ہو گا۔ حضرت موسیٰ سے افلاطون نے پوچھا کہ خدا تیر انداز ہو اور آسمان کمان اور تیروں کی بجائے آفات و بلیات کی بارش ہونے لگے تو بچاؤ کی صورت کیا ہو گی حضرت موسیٰ نبی تھے، فوراً جواب دیا کہ تیر انداز کے پہلو اور دامن میں آجاؤ تب بچ سکو گے ۔۔۔ حالات اگرچہ بہت ناساز ہوں اور اصلاح کی قوت نہ ہو پھر بھی تمہیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ قدم اٹھاؤ اور کچھ تو حرکت کرو، آگے امداد کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ حضرت یوسفؑ کو زلیخا نے سات کمروں میں قفل لگوا کر گناہ کی دعوت دی، بچ کر بھاگنا ناممکن تھا۔ مگر حضرت یوسفؑ نے ہمت کے دروازے تک دوڑے قفل کو تالا لگایا کہ یہی کچھ بس میں تھا۔ تو خدا کی مدد شامل حال ہوئی قفل خود بخود کھلتے گئے، اسی طرح اگرچہ آج بھی نفس، شیطان، ماحول، یورپ کی تہذیب اور ملحدین نے بڑے بڑے حصار اور قلعے ہمارے گرد پیش لگا دئے ہیں اور شور و غوغا ہے کہ اسلام کیا ہے۔؟ اس زمانہ میں اسلام اسلام کے نعروں سے کیا بنتا ہے۔؟ لیکن ہمارا کام ہے جدوجہد اور قربانی ہمت اور استقامت کے ساتھ اسلام کی خدمت اور فساد کی اصلاح کرنا۔ آگے کام اللہ کا ہے، البتہ ہماری آزمائش ہو رہی ہے۔ یہ چاند

اور سورج جیسے خدا کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کی روشنی کو بھی خداوند کریم محفوظ رکھے گا، البتہ ہمارا حال آن اسرائیلیوں جیسا نہیں ہونا چاہئیے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ :

اذھب انت وربک فقاتلا　　تو اور تیرا رب جا کر لڑائی کرے ہم تو یہیں

انا ھھنا قاعدون۔　　بیٹھتے ہیں۔

اگر ایسا ہوا تو سب غرق اور برباد ہو جائیں گے بلکہ ہماری بات تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ جیسی ہونی چاہئیے جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا کہ اگر آپ کہیں تو سمندر میں کود پڑیں گے اور اگر حکم ہو کہ برک الغماد تک جائیں تو وہاں تک جائیں گے۔

ایمان کی حقیقت نہ تو اس کی حکمت پوچھیں گے اور نہ وجہ کہ جب آپ کو پیغمبر مان لیا تو وجہ پوچھنے کی ضرورت کیا، نبی جو کہتا ہے وہی حق ہوتا ہے اور ایمان کا معنی یہی ہے کہ نبی پر اعتماد کر کے اسکی ہر بات کو حق سمجھا جائے دماغ میں آئے یا نہ آئے اسی کی نبوت پر بھروسہ اور اسی پر ایمان ہو کہ جو بھی اس کا ارشاد ہے اسی میں بھلائی اور کامیابی ہے۔ اس سے بڑھ کر نسخۂ شفاء ہمارے لئے کوئی نہیں، کیونکہ جس اللہ نے ہمیں پیدا کیا اس نے زندگی کے طور طریقے اور کامیابی کا نسخہ بھی بتلانا تھا۔ دیکھو یورپ سے جو دوائی آتی ہے تو ہر دوائی کے لیبل پر ترکیب استعمال اور سارا فارمولا لکھا ہوتا ہے جو بھی مشین آتی ہے تو اس کے ساتھ اس کے چلانے کا ہدایت نامہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے ایسے طریقوں سے چلے گا ورنہ ضائع ہو جائے گا۔ ہماری روح عالم بالا سے آتی ہے جسم اسکی مشین ہے، تو جو خدا جسم اور روح کا خالق ہے اس نے اس کے استعمال کا نسخہ اور ہدایت نامہ بھی پیغمبر کے ذریعہ بھیج دیا ہے اگر ہم نے ذرا بھی اصلاح کی کوشش کی اپنی زندگی کو اللہ کی مرضی پر ڈال دیا اور خدا کی مدد اور وعدۂ حفاظت دین پر بھروسہ کر کے فساد کی اصلاح میں لگ گئے، تو دین و دنیا کی سرخروئی حاصل ہو جائے گی، نہ مارشل لاء ہو گی نہ ایک دوسرے کی پکڑ دھکڑ، نہ چوری اور ڈاکہ زنی ہو گی حکومت عوام کی خادم ہو گی اور عوام حکومت کے وفادار ہوں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور ملک میں شہد اور دودھ کی نہریں بھی جاری ہو گئیں تب بھی تماشا دیکھ لو گے کہ تھوڑے عرصہ بعد کیا حشر ہوتا ہے اگر اسلام نہ آیا تو یاد رکھو باؤلے کتوں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹ دو گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس ملک کو فتنوں سے بچا دے اور ہم سب کو اسلام پر جمع فرما کر باہمی شیر و شکر بنا دے ۔۔۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

معاشیات

جناب منظر عباس صاحب ۔۔۔ مری

ابن خلدون کا نظریۂ محنت

مالتھس اور گاندھی کے غیر فطری نظریوں سے موازنہ

کارل مارکس نے جو حقیقت آج معلوم کی ہے، وہ ابن خلدون نے مارکس سے چند سو سال پہلے معلوم کر لی تھی، یعنی یہ کہ:

"محنت ہی اصل ہے محنت ہی سے دولت پیدا ہوتی ہے جس چیز کی تیاری پر جس قدر محنت ہوگی اس قدر اس کی قیمت ہوگی، اور محنت کی اُجرت وہ تمام دولت ہے جو محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔"

کارل مارکس کی تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب "سرمایہ" کا کل خلاصہ یہی ہے جو ابن خلدون کے شاہکار "مقدمہ" کے باب فی حقیقۃ الرزق والکسب وشرحہما ان الکسب ھو قیمۃ الاعمال البشریۃ کا خلاصہ ہے۔

★

معاشیات کی اصطلاح میں محنت سے مراد ہر وہ ذہنی اور جسمانی کوشش ہے جس کا مقصد دولت پیدا کرنا ہو۔ اور دولت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کی معاشی حاجت پورا کرنے میں کام آسکے۔ نیز اسکی خرید و فروخت ہوتی ہو۔ والدین اولاد کی تعلیم و تربیت میں جو رات دن محنت کرتے ہیں اُسے علم معاشیات کی اصطلاح میں محنت نہیں کہا جاتا اس لئے کہ والدین بچوں کی تعلیم و تربیت مادی دولت کے حصول کی غرض سے نہیں بلکہ فطری محبت کی خاطر کرتے ہیں، جو شخص سکول مدرسہ یا جامعات میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام کرتا ہے۔ یا جو عورت ہسپتال میں بچوں کی پرورش

کرتی ہے۔ ان کا یہ کام محنت ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں ان کا مقصد دولت کمانا ہے۔
غرض محنت محض کام کا نام نہیں، بلکہ ایسا کام محنت ہے، جو دولت کمانے کے لئے کیا جائے
ہر کام محنت نہیں لیکن ہر محنت کام ضرور ہے۔ اگر ایک شخص شوقیہ باغبانی کرتا ہے یا جانور پالتا
ہے۔ تو اس شخص کے ان کاموں سے دولت پیدا ہوتی ہے، لیکن اصطلاح میں اس کے کام کو
محنت نہیں کہا جاتا۔ اس لئے کہ کام کرنے والے کا مقصد دولت کمانا نہیں، یہ الگ بات ہے
کہ اس کے کام سے قدرتی طور پر دولت پیدا ہوتی ہے۔ گویا ہر وہ کام جس سے دولت پیدا ہو
محنت نہیں کہلاتا بلکہ صرف وہ کام محنت کہلاتا ہے، جو دولت پیدا کرنے کی نیت سے کیا جائے
خواہ اس سے دولت پیدا ہو یا نہ ہو۔ معدنیات کے حصول کے لئے کانیں کھودنے والے
محنت کرتے ہیں، خواہ ان کے اس کام سے معدنیات برآمد ہوں یا نہ ہوں۔

دو شخص دریا پر مچھلیاں پکڑ رہے ہیں، ایک کا مقصد مچھلیاں پکڑ کر دولت کمانا ہے۔
اور دوسرا شوقیہ مچھلی کا شکار کرنا چاہتا ہے۔ پہلے شخص کا کام محنت کہلاتا ہے، اور دوسرے
شخص کا کام محنت نہیں۔ دو شخص مسجد کی دیواریں بنا رہے ہیں، ایک اجرت پر کام کر رہا ہے
دوسرا ثواب کی نیت سے۔ پہلے کے کام کو اصطلاح میں محنت کہا جائے گا، اور دوسرے
کا کام محنت نہیں۔ مختصر یہ کہ :

"محنت سے مراد وہ ذہنی یا جسمانی کام ہے جو مادی دولت کے حصول کی
خاطر کیا جاتا ہے۔"

محنت کی اجرت | محنت کش مادی دولت کے حصول کی خاطر کام کرتا ہے، اس لئے
انصاف کا تقاضا ہے، کہ اسے اس کے کام کی اجرت دی جائے، اجرت میں نہ کمی جائز
ہے اور نہ زیادتی۔ اگر محنت کش کو اسکی محنت کی نسبت کم اجرت دی جائے تو یہ اس کے
ساتھ ناانصافی ہوگی، اور اگر اسے زیادہ اجرت دی جائے تو پورے معاشرے کے ساتھ
زیادتی ہوگی۔

علمائے معاشیات نے محنت کی اجرت مقرر کرنے پر طویل بحثیں کی ہیں، اور آج
سرمایہ داری اور اشتراکی محاذوں پر محنت اور اجرت کے مسائل پر دلائل کی جنگ جاری ہے۔
سرمایہ داری کے حامی کہتے ہیں کہ محنت کی اجرت رسد اور طلب کے اصول پر مقرر کی جاتی
ہے۔ دوسری طرف اشتراکی محاذ کے مفکرین کا کہنا ہے کہ رسد اور طلب کے اصول پر محنت کی

اُجرت مقرر کرنا محنت کش طبقہ کے حقوق کا اتلاف ہے۔

طلب اور رسد کے اصول پر اُجرت کا تعین کیونکر ہوتا ہے۔؟ اسکی وضاحت کے بغیر بحث کو آگے لے جانا مسئلے کو الجھا دینے کے برابر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ پہلے اس کی وضاحت کر لی جائے، کہ طلب اور رسد کا اصول کیا ہے، اور اس سے اجرت کیونکر مقرر ہوتی ہے۔

طلب اور رسد کا اصول | سرمایہ داری نظام میں محنت کش اپنی قوتِ محنت فروخت کرتا ہے، اور آجر قیمت دیکر یہ محنت خریدتا ہے۔ اس خرید و فروخت کی صورت وہی ہے جو عام اشیائے تجارت کی خرید و فروخت میں پائی جاتی ہے۔ مارکیٹ، منڈی یا بازار میں فروخت کی جانے والی کوئی جنس خریداروں کی قوتِ خرید کی نسبت زیادہ ہو تو اسکی قیمت گر جاتی ہے۔ یعنی وہ چیز سستی ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس جنس کی رسد خریداروں کی قوتِ خرید سے جسکا دوسرا نام طلب ہے، کم ہو جائے تو اسکی قیمت بڑھ جاتی ہے، یعنی یہ چیز مہنگی ہو جاتی ہے۔

رسد سے مراد جنس کی وہ مقدار ہے، جو فروخت کیلئے منڈی میں پیش کی جاتی ہے۔ اور طلب سے مراد وہ قوتِ خرید ہے جسکو کسی خاص وقت یا مدت میں عمل میں لایا جاتا ہے۔ ایک ملک میں لوگوں کے پاس دس لاکھ تھان کپڑا خریدنے کی خواہش اور قوت ہے، اور اس ملک کے کارخانے دس لاکھ تھان کپڑا تیار کر کے منڈی میں بھیج دیتے ہیں، تو اس ملک میں کپڑے کی رسد اور طلب برابر ہو گی۔ اور اگر کارخانے بجائے دس لاکھ کے گیارہ لاکھ تھان کپڑا تیار کریں، یا لوگوں کی قوتِ خرید یا خواہش بجائے دس لاکھ کے ۹ لاکھ تھان ہو جائے تو کہا جائے گا کہ اس ملک میں کپڑے کی رسد بڑھ گئی ہے، اور اس طرح کپڑے کی قیمت کم ہو جائے گی۔ یا اس کے برعکس کپڑا دس لاکھ تھان سے کم تیار ہو یا لوگوں کی قوتِ خرید اور خواہش دس لاکھ تھان سے بڑھ جائے تو کہا جائیگا کہ رسد طلب کی نسبت کم ہے، اور اس صورت میں کپڑا مہنگا ہو جائے گا۔

سرمایہ داری نظام میں کپڑے اور محنت (جسے قوتِ محنت کہا جاتا ہے) میں کوئی فرق نہیں، آجر یعنی وہ شخص جو مزدوروں کو کام پر لگاتا ہے۔ محنت کش سے اسکی قوتِ محنت خریدتا ہے۔ اب اگر حالات ایسے ہو جائیں کہ ملک میں مزدوروں کی تعداد بڑھ جائے یا آجر کارخانوں میں بہتر مشین لگا کر مزدوروں کی چھانٹی کر دے تو اس صورت میں محنت کی رسد بڑھ جائے گی۔ اور طلب گھٹ جائے گی، اور رسد بڑھ جانے اور طلب گھٹ جانے سے

محنت کی قیمت یعنی اجرت کم ہو جائے گی، اور اگر کسی ملک میں مزدوروں کی تعداد کم ہو جائے لوگ جنگ میں مارے جائیں یا ہجرت کر جائیں یا نئے نئے منصوبوں پر عمل شروع ہو جائے تو اس صورت میں محنت کی قیمت یعنی اجرت بڑھ جائے گی۔

مالتھس کا نظریہ | محنت کے بارے میں طلب اور رسد کا یہی اصول مالتھس کے سامنے تھا جس نے سب سے پہلے مسئلہ آبادی پر قلم اٹھایا، اور مشورہ دیا کہ کسی ملک کی خوشحالی کیلئے ضروری ہے کہ اس ملک کی آبادی کو ایک مناسب حد سے آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ مالتھس نے بتایا تھا کہ مزدور محنت کر کے کارخانے بناتے اور مشینیں بناتے ہیں، یہ کارخانے اور مشینیں ایسی عمدہ ہوتی ہیں کہ ان پر ایک آدمی بہت سے آدمیوں کا کام کرتا ہے۔ فرض کریں لاہور سے پشاور تک تجارتی مال لے جانے کے لئے ایک لاکھ مزدور کام کرتے تھے چند اجیروں نے ان مزدوروں سے ریلوے لائن بچھانے اور گاڑیاں تیار کرنے کا کام لیا۔ اور ایک خاص مدت کے بعد جب کام مکمل ہو گیا۔ اور لاہور سے پشاور تک مال گاڑیاں چلنے لگیں۔ تو یہ ایک لاکھ مزدور بے کار ہو گئے۔ اس لئے کہ مال گاڑی پر چند مزدور مل کر وہ سارا کام کر دیں گے جو پہلے ایک لاکھ مزدور کیا کرتے تھے۔ گویا مزدوروں نے ریلوے لائن بچھا کر اپنے مفادات کے خلاف کام کیا تھا، ہزاروں مزدور بیکار ہو گئے اور اس طرح محنت کی رسد طلب کی نسبت بڑھ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدور کی اجرت کم ہو گئی۔

مالتھس نے مزدوروں کو مشورہ دیا تھا کہ یہ لوگ کم بچے پیدا کریں تاکہ ان کی تعداد زیادہ نہ ہو اور کسی ملک میں جس قدر مزدوروں کی طلب ہے وہ پوری نہ ہو سکے یعنی محنت کی رسد طلب سے کم رہے اس صورت میں محنت کی قیمت یعنی اجرت زیادہ ہو گی، اور مزدور خوشحال ہونگے۔

گاندھی کا نظریہ | برصغیر کے مشہور سماجی فلاسفر گاندھی نے محنت کی رسد کو طلب سے کم رکھنے کے لئے کارخانے کم لگانے کی تعلیم دی ہے۔ گاندھی کا خیال تھا کہ جدید مشینری کا استعمال مزدوروں کو بیکار کر دیتا ہے۔ اس سے مزدور کی اہمیت گھٹ جاتی ہے، اور محنت کی رسد بڑھ جاتی ہے جس کا نتیجہ بے روزگاری اور غربت و افلاس کی صورت میں نکلتا ہے مختصر یہ کہ:

"مالتھس نے مزدور کو خوشحال بنانے کیلئے محنت کی رسد کم کرنے اور گاندھی نے مزدوروں کو خوشحال رکھنے کے لئے طلب کو بڑھانے کا مشورہ

دیا ہے۔ بچے کم پیدا ہوں تو محنت کی رسد کم ہو جاتی ہے۔ اور کارخانوں میں جدید مشین کا استعمال نہ کیا جائے تو محنت کی طلب بدستور قائم رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بچے زیادہ ہونے سے محنت کی رسد بڑھ جاتی ہے اور کارخانوں میں جدید مشین کے استعمال سے طلب گھٹ جاتی ہے۔

دونوں نظریے غیر فطری ہیں | اہل بصیرت جانتے ہیں کہ مالتھس اور گاندھی ہر دو کی تعلیمات مصلحت اور فطرت کے خلاف ہیں۔ بچے کم پیدا کرنے کا مشورہ قدرت کے نظام میں دخل اندازی کا مشورہ ہے، اور کارخانوں میں جدید مشین استعمال نہ کرنے کی تعلیم سائنس اور ذہن انسانی کے ارتقاء کے خلاف رجعت پسندی کی تعلیم ہے۔

اب تک کی معروضات کا خلاصہ یہ ہوا:۔

۱۔ محنت سے مراد وہ کام ہے۔ جو اجرت کے حصول کی خاطر کیا جاتا ہے۔

۲۔ سرمایہ داری نظام میں محنت کی خرید و فروخت عام اشیائے تجارت کی خرید و فروخت سے مختلف نہیں۔

۳۔ سرمایہ داری نظام میں عام اشیاء کی قیمت رسد اور طلب کے قانون سے مقرر ہوتی ہے۔ اور محنت بھی ایک فروخت کی جانے والی جنس ہے اس لئے اسکی قیمت یعنی اجرت بھی رسد اور طلب کے اصول سے متاثر ہوتی ہے۔

۴۔ اگر قیمت کی رسد بڑھ جائے یا طلب کم ہو جائے تو اجرت کا معیار گر جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر محنت کی رسد کم ہو جائے یا طلب بڑھ جائے تو اجرت کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔

۵۔ مالتھس مشورہ دیتا ہے کہ مزدور کم بچے پیدا کریں تاکہ محنت کی رسد طلب سے بڑھ نہ جائے اور گاندھی کا مشورہ ہے کہ کارخانوں میں جدید مشین کا استعمال روک دیا جائے تاکہ محنت کی طلب گھٹ نہ جائے۔

۶۔ مالتھس اور گاندھی ہر دو کے مشورے ناممکن العمل ہیں۔

سرمایہ داری نظام کا تضاد | اس بحث سے سرمایہ داری نظام کا وہ تضاد واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے جس پر اشتراکی مصنفین نے زور دار بحثیں کی ہیں۔ یہ نظام ایک طرف ملک کو خوشحال بنانے کے لئے نئے نئے کارخانے لگاتا اور سائنس کی ایجادات سے فائدہ اٹھانے

کا مدعی ہے، اور دوسری طرف اس کے عمل کا نتیجہ محنت کش عوام کی زبوں حالی ہے۔ اس نظام میں مزدور نئی سڑک بنا کر نیا کارخانہ تعمیر کر کے نئی کان کھود کر نئی دولت نکال کر سائنسدان نئی مشین ایجاد کر کے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہو تو وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے، اور اپنے مفاد کے خلاف کام کرتا ہے۔

اس سے پہلے کہ بحث کو آگے بڑھایا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مارکس اور گاندھی نے محنت کش عوام کی غربت و افلاس کے جو علاج تجویز کئے ہیں ان کی خامیوں کی نشاندہی کر دی جائے، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

مارکس اور گاندھی کی بنیادی غلطی | محنت کش عوام کی غربت و افلاس کے اصل اسباب کی تشخیص میں مارکس اور گاندھی ہر دو نے غلطی کی ہے۔ ان دونوں نے سرمایہ داری نظام کی اس خرابی سے اغماض برتا ہے جس کا تعلق محنت کی حیثیت سے ہے۔ اس نظام میں محنت کو دوسری تجارتی اشیاء کی حیثیت دے کر اسے طلب اور رسد کے اندھے قانون کی لاٹھی سے ہانکا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو رسد اور طلب کا قانون کسی چیز کی قیمت مقرر کرنے کا معقول پیمانہ ہے۔ اور نہ ہی محنت کی حیثیت عام اشیائے تجارت کی سی ہے لیکن

یہاں:

۱۔ رسد اور طلب کو اشیائے تجارت کی قیمت کا پیمانہ مقرر کیا گیا ہے۔

۲۔ محنت کو عام اشیائے تجارت کی حیثیت دی گئی ہے —— اور

۳۔ محنت کی اجرت کو رسد اور طلب کے پیمانے سے ناپا گیا ہے۔

اور یہ تینوں امور غلط ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے وجود کیلئے معقول وجہ نہیں رکھتا۔

مارکس اور گاندھی نے ان تینوں امور کو من و عن صحیح تسلیم کر کے وہ بنیادی غلطی کی ہے، جس کے نتیجے میں ان کے فلسفوں کی عمارتیں استوار نہ ہو سکیں۔

ان مذکورہ بالا امور میں کیا خامیاں ہیں۔؟ اور ان کو درست تسلیم کر لینے سے علم معاشیات کے کون کون سے اصول بے جا طور پر متاثر ہوتے ہیں۔؟ ان سوالوں کے جوابات کا یہ موقع نہیں، ہمارا اصل مقصد تو ابن خلدونؒ کے نظریۂ محنت پر بحث کرنا ہے۔ اور یہ بحث اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتی جب تک کہ مذکورہ بالا بحث کو ذہن میں نہ رکھا جائے۔

قیمت کا پیمانہ | ابن خلدونؒ نہ تو یہ تسلیم کرتا ہے کہ محنت عام اشیائے تجارت کی

حیثیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے ہاں رسد اور طلب کا قانونِ محنت یا تجارتی اشیاء کی معقول قیمت مقرر کرنے کا پیمانہ ہے۔ ابن خلدونؒ محنت کے پیمانے سے عام اشیائے تجارت کی قیمت مقرر کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ:

"کسی چیز کی قیمت اس محنت کے برابر ہوتی ہے جو محنت اس تیاری پر صرف ہوتی ہے"

سرمایہ داری نظام میں کوئلہ اس لئے سستا ہے کہ اس کی رسد زیادہ ہے، اور ہیرا اس لئے مہنگا ہے کہ اس کی رسد کم ہے، اور ابن خلدون کے نزدیک کوئلہ کے حصول پر کم محنت صرف ہوتی ہے۔ اس لئے کوئلہ سستا ہے اور ہیرا کے حصول پر زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، اس لئے ہیرا مہنگا ہے۔ گویا ابن خلدونؒ نے رسد اور طلب کے قانون کو اشیاء کی قیمت کا پیمانہ بنانے کی جگہ محنت کو قیمت کا پیمانہ مقرر کیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ محنت کی اُجرت کیونکر متعین کی جائے گی۔؟ اس کا جواب ابن خلدونؒ کے نظریئے کے مطابق نہایت سادہ ہے۔ اُجرت چونکہ خود پیمانہ ہے۔ اس لئے اس کے لئے پیمانہ مقرر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اُجرت کا پیمانہ کوئی دوسرا ہو تو پھر اُجرت کی حیثیت پیمانے کی نہیں رہتی۔ اس اصولی بات کے باوجود یہ سوال جواب طلب رہ جاتا ہے کہ محنت کی اُجرت کیا ہو۔ ایک گھنٹہ، آٹھ گھنٹے، ایک ہفتہ یا ایک ماہ کام کرنے کے بعد محنت کش کس قدر اُجرت کا حقدار ہو جاتا ہے۔

اس سوال کا حل سرمایہ داری نظام کے حامیوں کے پاس کوئی نہیں وہ صرف رسد اور طلب کی بات دہرا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن ابن خلدونؒ کے نظریۂ محنت کی رو سے اس کا جواب واضح ہے کہ:

"جس قدر محنت سے جس قدر دولت پیدا ہو گی وہ دولت اس قدر محنت ہی کا پھل اور اسکی اجرت ہو گی"

انفرادی مثالوں سے سوچا جائے تو بات اب بھی واضح نہیں ہوئی، ایک معمار نے دس گھنٹے محنت کر کے ایک دیوار تعمیر کی۔ اس معمار کو اس کام کی کیا اُجرت دی جائے یہ تو بے معنی بات ہے کہ اسے اس دیوار کا مالک بنا دیا جائے اور کہا جائے کہ دیوار تمہاری محنت کا نتیجہ ہے اس لئے یہی تمہاری اُجرت ہے۔

اس الجھن کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے محنت کی ایک جزی کو الگ طور پر تولنا شروع کر دیا ہے۔ محنت عام اشیاء کی طرح کوئی ٹھوس اور معین طور پر نظر آنے والی چیز نہیں، اسی معمار کی مثال لیں بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ اس نے دس گھنٹے کی محنت سے دیوار بنائی ہے لیکن حقیقت میں دس گھنٹوں سے نہیں بنی بلکہ اس دیوار کے بنانے میں اینٹیں اور سیمنٹ بنانے والوں کی محنت اینٹیں اور سمنٹ کو مقام تعمیر تک پہنچانے کی محنت فن تعمیر میں استعمال ہونے والے آلات کی تیاری اور انہیں معمار تک پہنچانے کی محنت شامل ہے۔ غرض محنت کی کسی اکائی کو دوسری اکائیوں سے الگ کرنا اور اسکی الگ حیثیت مقرر کرنا مشکل ترین کام ہے۔

محنت پر بحیثیت مجموعی حیثیت سے غور کرنا چاہیے، فرض کریں ایک ملک میں ایک ہزار محنت کش ہیں۔ اور ہر محنت کش آٹھ گھنٹہ یومیہ محنت کرتا ہے تو روزانہ آٹھ ہزار گھنٹے محنت ہوئی، اور مہینے میں ۳۰ × ۸ ہزار گھنٹے یعنی ۲۴۰ ہزار گھنٹے محنت ہوئی، اور سال میں ۱۲ × ۳۰ × ۸ ہزار گھنٹے یعنی ۲۸ لاکھ ۸۰ ہزار گھنٹے محنت ہو گی۔ اس کے بعد دیکھا جائے کہ اس ملک میں کل کتنی دولت پیدا ہوئی ہے۔ فرض کریں کل دولت ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ ہے اب ہم آسانی سے معلوم کریں گے کہ ایک گھنٹہ کی محنت کی پیداوار کیا ہے۔ زیر نظر مثال کی کی رو سے،

سال بھر کی محنت = ۲۸۸۰۰۰۰ گھنٹے

سال بھر کی محنت کا نتیجہ = ۱۴۴۰۰۰۰ روپے کی دولت

اس حساب سے ایک گھنٹہ کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۵۰ پیسے ہو گی۔ اور یہی ۵۰ پیسے ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ہو گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم نے سال بھر کے ۲۸ لاکھ ۸۰ ہزار گھنٹوں کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ کس اصول سے مقرر کی ہے ۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیمت کم ہو یا زیادہ اس کا اجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، آپ اس سے کم یا زیادہ قیمت مقرر کر سکتے ہیں۔ اگر سال بھر کی دولت کی قیمت ۷ لاکھ ۲۰ ہزار روپے مقرر کریں تو ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۲۵ پیسے ہو گی۔ اور اگر اسکی قیمت بڑھا کر ۲۸ لاکھ ۸۰ ہزار کریں تو ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ایک روپیہ ہو گی۔ لیکن اس سے اجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بظاہر یہ عجب بات ہے۔ کہ ایک گھنٹہ کی اجرت ۲۵ پیسے ہو ۵۰ پیسے ہو یا ایک۔

روپیہ سب برابر ہیں۔

اُجرت میں یہ فرق اس لئے نظر آتا ہے کہ ہماری نظر میں زر یعنی روپیہ پیسہ کی حقیقت نمایاں نہیں۔ ۲۵ پیسے ۵۰ پیسے یا ایک روپیہ کیا ہے؟ یہ زر کی مختلف اکائیاں ہیں، ان کی اپنی کوئی قیمت نہیں، روپیہ کی قیمت وہ دولت ہے جو اس کے بدلے میں خریدی جا سکتی ہے۔ فرض کریں ایک روپیہ میں ایک سیر چاول مل جاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روپیہ میں ہر وہ چیز مل سکتی ہے جسکی تیاری پر اتنی محنت ہوئی ہو، جتنی محنت ایک سیر چاول پیدا کرنے پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک سیر چاول کی قیمت ۵۰ پیسے ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ چیز ۵۰ پیسے سے خریدی جا سکتی ہے جسکی تیاری پر اتنی محنت ہوئی ہو، جتنی محنت ایک سیر چاول پیدا کرنے پر ہوتی ہے۔ اور اگر ایک سیر چاول کی قیمت ۲۵ پیسے ہو تو اسکا مفہوم بھی یہی ہوگا کہ ۲۵ پیسے میں ہر وہ چیز خریدی جا سکتی ہے جسکی تیاری پر اتنی محنت ہوئی ہے جتنی ایک سیر چاول کی پیداوار پر ہوتی ہے۔ اس مثال سے واضح ہے کہ چاول کی قیمت ۲۵ پیسے ہو، ۵۰ پیسے ہو یا ایک روپیہ، ایک سیر چاول کی مالیت کی اشیاء کی قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اوپر کی مثال میں جب ایک گھنٹہ کی محنت کی اُجرت ۲۵ پیسے دی جائے گی، تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایک مزدور کی یومیہ اُجرت ۲ روپے، اور ایک ملازم کی ماہوار تنخواہ ۶۰ روپے ہوگی۔ اور تمام محنت کشوں میں کل روپیہ جو سال میں تقسیم کیا جائے گا، وہ ۷ لاکھ ۲۰ ہزار ہوگا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ سال بھر میں جس قدر دولت پیدا ہوتی ہے وہ ۷ لاکھ ۲۰ ہزار روپے میں خریدی جا سکتی ہے۔ جب ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۵۰ پیسے ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سال بھر میں پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپے ہوگی یعنی ساری دولت جو سال بھر میں پیدا ہوتی ہے وہ ۱۴ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ میں خریدی جا سکے گی۔

روپیہ تو قوت خرید کا نام ہے۔ اب اگر ۲۵ پیسے میں وہی دولت خریدی جا سکے جو ۵۰ پیسے یا ایک روپیہ میں خریدی جا سکتی ہے، تو ظاہر ہے کہ زر کی ان اکائیوں یعنی ۲۵ پیسے ۵۰ پیسے اور ایک روپیہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

فرض کیجئے تین ممالک ہیں۔ ہر ملک میں سال کے دوران برابر محنت ہوتی ہے۔ اور

برابر محنت سے برابر محنت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن الف ملک میں ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۲۵ پیسے، ب میں ۵۰ پیسے اور ج میں ایک روپیہ ہو تو تینوں ملکوں کے عوام کا معیار زندگی برابر رہے گا۔ الف ملک کا مزدور یومیہ دو روپے اور ملازم ۶۰ روپے ماہوار کما کر اشیائے صرف اسی مقدار میں خریدے گا جس مقدار میں ب ملک کا مزدور یومیہ چار روپے اور ملازم ماہوار ۱۲۰ روپے تنخواہ سے خریدتا ہے۔ یا ج ملک کا مزدور یومیہ ۸ روپیہ اور ملازم ماہوار ۲۴۰ روپیہ سے خریدتا ہے۔

امید ہے ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ پورے سال کی محنت سے پیدا ہونے والی کل دولت پورے سال کی محنت کا پھل ہے، اور ایک گھنٹے کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت ایک گھنٹے کی محنت کا پھل ہے۔ پورے سال کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کل دولت زر کے پیمانے سے جو بھی قیمت مقرر کی جائے گی اس کا محنت کی اجرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ محنت کی جس قدر قیمت مقرر کی جائے وہ ساری قیمت مزدوروں میں اسی نسبت سے تقسیم کر دی جائے کہ جس نسبت سے مزدوروں نے محنت کی ہے۔ اگر سال کی محنت سے پیدا ہونے والی کل دولت کی قیمت زیادہ ہو تو فی گھنٹہ محنت کی اجرت زیادہ دی جاتی ہے اور اگر کم ہو تو فی گھنٹہ اجرت کم دی جائے گویا اجرت زیادہ ہو گی تو اشیائے خرید مہنگی ہوں گی۔ اور اجرت کم ہو گی تو اشیائے خرید سستی ہوں گی، محنت کش کو ہر دو صورتوں میں برابر چیزیں حاصل ہوں گی۔

خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مختلف محنت کشوں کو مختلف اجرتیں دی جاتی ہیں، اور اصول یہ مقرر کیا جاتا ہے کہ محنت کے جس شعبے میں مزدوروں کی رسد زیادہ ہو، مثلاً کاشتکاری وغیرہ کو اس شعبے میں کم اجرت دی جائے اور جس شعبے میں مزدوروں کی رسد کم ہو جیسے وکالت وغیرہ تو اس شعبے میں اجرت زیادہ دی جائے۔

ابن خلدون نے محنت کو اشیاء کی قیمت مقرر کرنے کا پیمانہ مقرر کر کے ان تمام ناانصافیوں اور زیادتیوں کی پوری طرح روک تھام کر دی ہے۔ جو سرمایہ داری نظام میں عام ہیں، کارل مارکس نے جو حقیقت آج معلوم کی ہے، وہ ابن خلدون نے مارکس سے چار سو سال پہلے معلوم کر لی تھی۔ یعنی یہ کہ:

محنت ہی اصل ہے محنت ہی سے دولت پیدا ہوتی ہے، جس چیز کی تیاری

پر جس قدر محنت ہو گی اس قدر اسکی قیمت ہو گی، اور محنت کی اجرت وہ تمام دولت ہے جو محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

کارل مارکس کی تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب "سرمایہ" کا کل خلاصہ یہی ہے جو ابن خلدونؒ کے شاہکار "مقدمہ" کے باب فی حقیقۃ الرزق والکسب وشرحھا وان الکسب ھو قیمۃ الاعمال البشریۃ ۔ کا خلاصہ ہے ــــ اسی لئے ــــ ابن خلدونؒ پر کام کرنے والے مصنف مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنی کتاب "افکار ابن خلدونؒ" میں لکھا ہے:

"اس باب میں غور و تحسین کے لائق نکتہ یہ ہے کہ ابن خلدونؒ محنت ہی کو انسانی اجرتوں کا معیار قرار دیتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خصوص میں کارل مارکس سے بھی پہلے یہ مار کی ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۵)

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا تھا اور علامہ ابن خلدونؒ کا سال وفات ۱۴۰۶ء ہے۔

زیادہ اجرت دینا بھی زیادتی ہے ہم نے مضمون کے ابتدائی حصے میں کہا تھا کہ اگر مزدور کو معیار سے زیادہ اجرت دی جائے تو یہ پورے معاشرے کے ساتھ ناانصافی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر بھی ضرورت کے مطابق روشنی ڈال دی جائے، گو مذکورہ بالا بحث کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد اسکی وضاحت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ مذکورہ بحث سے اس کا جواب مل جاتا ہے۔ تاہم قارئین کرام کی سہولت کے لئے وضاحت کر دینا مناسب رہے گا۔

فرض کریں سال بھر کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی ہم وہ قیمت مقرر کرتے ہیں، جس سے ایک گھنٹہ کی محنت سے پیدا ہونے والی دولت کی قیمت ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ ایک گھنٹہ محنت کی اجرت ۲۵ پیسے ہوئی۔ اب ہم محنت کشوں کے ایک خاص طبقے کو دوگنی اجرت دیتے ہیں، یعنی انہیں ایک گھنٹہ کی محنت کی اجرت ۵۰ پیسے دیتے ہیں، تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ یہ لوگ ایک گھنٹہ محنت کر کے جو چیز تیار کریں گے اسکی قیمت ۵۰ پیسے ہو گی، گویا یہ لوگ معاشرے کو ۲۵ پیسے کی دولت دے کر ۵۰ پیسے کی دولت حاصل کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس زیادتی کا اثر معاشرے کے باقی تمام افراد

باقی صفحہ ۲۹ پر

مرتب محمد اقبال قریشی فقیر والی

سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشادات کی روشنی میں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی ذات والا صفات تمام اکابر دیوبند کیلئے سرچشمۂ فیض مورث اعلیٰ اور پورے مکتب فکر کیلئے سید الطائفہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ فقیہ وقت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آخری دور میں جنیدؒ وقت نابغۂ عصر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی جیسے یکتائے روزگار اکابر نے حضرت حاجی صاحب مرحوم سے اصلاح نفس اور مدارج قرب طے کرنے میں رہنمائی حاصل کی ایسے عارف کامل اور دانائے راز بزرگ کے علوم و معارف اس دور کے علمی و دینی حلقوں کیلئے بلاشبہ اکسیر ہدایت ہیں، حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اپنے مواعظ اور تصانیف میں جگہ جگہ اپنے مرشد روحانی حضرت حاجی صاحب مرحوم، حضرت مولانا نانوتوی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم کے ارشادات اور ملفوظات بیان فرمائے ہیں۔ محترم مضمون نگار نے معارف تھانویؒ کے بحر بیکراں سے ان موتیوں کو سمیٹ کر الحق کے ذریعہ عام کرنا چاہا ہے۔ اس قسط میں حضرت مولانا تھانویؒ کی زبانی حضرت حاجی صاحب کی پرعظمت شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آئندہ حضرت تھانویؒ کی روایت سے حضرت حاجی صاحب مرحوم کے ملفوظات پیش کئے جائیں گے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت نانوتویؒ کے علوم و فرمودات کو بھی اگلی فرصتوں میں پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

"سمیع الحق"

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اگرچہ اصطلاحی عالم نہ تھے۔ لیکن حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، فقیہ ملت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، رئیس الاحرار شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ جیسے اکابر اور بحر ذخار علماء کے پیر و مرشد اور ہادی تھے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے غالباً اسی لئے فرمایا ہے ؎

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کیلئے　　لذت شوق بھی ہے نعمت دیدار بھی ہے۔

کسی نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے پوچھا کہ کیا حضرت حاجی صاحبؒ مولوی تھے، آپ نے جواباً فرمایا کہ مولوی گر (یعنی مولوی بنانے والے) تھے[۱] مرشد نا حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے تو صرف کافیہ تک پڑھا تھا۔ اور ہم نے اتنا پڑھا ہے کہ ایک کافیہ اور کئی دیں مگر حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی، ہاں اصطلاحات ضرور نہیں بولتے تھے[۲] اسی لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں علم کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب مرحوم کا معتقد ہوا ہوں۔ لوگوں نے اس کا راز پوچھا تو فرمایا کہ علم اور چیز ہے، اور معلومات اور چیز ہیں، اور یہ فرق بیان فرمایا کہ ایک تو ابصار ہے اور ایک مبصرات[۳] ہیں، ان دونوں میں فرق ہے، جیسے ایک شخص نے سیاحت تو بہت کی ہے مگر اسکی نگاہ کمزور ہے اور ایک شخص نے سیاحت تو کم کی ہے مگر نگاہ بہت تیز ہے۔ تو جسکی نگاہ کمزور ہے اور سیاحت بہت کی ہے، اسکی مبصرات تو زیادہ ہیں مگر کسی مبصر کی پوری حقیقت سے آگاہ نہیں کیونکہ اس نے کسی چیز کو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں بلکہ ہر چیز کو یونہی سرسری طور پر دیکھا ہے اور جسکی نگاہ تیز ہے اور سیاحت زیادہ نہیں، اس کے مبصرات گو کم ہیں مگر جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اسکی پوری حقیقت سے مطلع ہو جاتا ہے۔ بس یہی فرق ہے ہمارے میں اور حضرت حاجی صاحبؒ میں کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں، مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں، اور حاجی صاحبؒ کے گو معلومات قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے ان کے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں وہ ہر علم کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ہم حقیقت تک نہیں پہنچتے ــــــ!

---

[۱] ارواح ثلثہ صفحہ ۲۲۱　[۲] ایضاً صفحہ ۲۲۶　[۳] دکھائی دینے والی چیزیں۔

حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے سچ کہا ہے۔

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را آئینہ دل بین کہ کتابے بہ ازیں نیست

حضرت حاجی صاحبؒ نہایت شفقت اور محبت سے طالبین کی تربیت فرماتے تھے۔ آپ کے یہاں ظاہری محاسبہ نہ تھا، اور نہ کبھی سختی یا ڈانٹ ڈپٹ فرماتے تھے، مگر برکت ایسی تھی کہ از خود اصلاح ہو جاتی تھی۔ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ اپنے مریدوں اور معتقدوں سے اتنی شفقت کرنے والا شیخ میں نے نہیں دیکھا اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم [1]

اسی لئے آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بار بار فرماتے تھے۔ کہ ہائے رحمۃ للعالمین، ہائے رحمۃ للعالمین [2]

حضرت تھانویؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے کہ جو بلا واسطہ حضرت سے بیعت ہوا اس کا بفضلہ تعالیٰ خاتمہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض متوسلین گو مرید ہونے کے بعد بھی دنیا دار ہی رہے لیکن ان کا خاتمہ بفضلہ تعالیٰ اولیاء اللہ کا سا ہوا [3]

حضرت مولانا امیر شاہ خان صاحب مرحوم جو کسی کے معتقد نہ ہوتے تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک حضرت حاجی صاحبؒ علیٰ وقت تھے اور حق ان کا تابع، اس لئے مجھے کبھی ان کے فعل پر اعتراض نہیں ہوا، نماز ان کی ایسی تھی کہ میں نے کسی کی نہ دیکھی، صفائی ان کے یہاں ایسی ہی تھی، تصنع کا نام نہ تھا [4]

حضرت حکیم الامت تھانویؒ حضرت حاجی صاحب کو امام وقت اور صدیق اعظم کہا کرتے تھے [5] حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی شجرۂ عالیہ چشتیہ امدادیہ میں آپ کے متعلق فرمایا ہے "ولی خاص صدیق معظم"۔

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے پاس جب حضرت حکیم الامت تھانویؒ تشریف لے جاتے تو حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے کہ جب تم آتے ہو تو قلب زندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب میں پہنچتا تھا تو حضرت حاجی صاحب رح کا ذکر بکثرت ہوتا، کیونکہ مولانا جانتے تھے کہ اس نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کی ہے اور یہ حضرت کے حالات سن کر مسرور

---

[1] الاتفاق صہ ۳۱ [2] اشرف السوانح ج ۲ صہ ۱۹۲ [3] الضاً ج ۳ صہ ۱۷۳ [4] ارواح ثلثہ صہ ۹۷
[5] سلوۃ الحزین صہ ۱۹

ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ اتنا بڑا شخص (حضرت گنگوہیؒ) جو خود امام وقت ہو اتنے تھوڑے سے پڑھے بزرگ یعنی قطب عالم حضرت حاجی صاحب کا ایسا معتقد ہوجائے۔[1] نیز فرمایا کہ امام وقت تھے مگر ان کی زبان سے کبھی اعتراض نہیں نکلا۔ اعتراض تو کیا مولانا تو بالکل آپ کے عاشق تھے۔[2]

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مرض الوفات میں ۲۰ر جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ کو فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ حجۃ اللہ فی الارض اور ظل اللہ فی الارض تھے۔ مگر میں کہتا ہوں چاہے کوئی دعویٰ سمجھے کہ اسکو سمجھا سب نے نہیں، ہاں جن لوگوں کو انہوں نے سمجھنا چاہا۔ اللہ نے انکی مراد پوری فرمادی (اشرف الملفوظات فی مرض الوفات وخاتمۃ السوانح صـ۲۲۱) حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت تھانویؒ سے بے حد محبت تھی۔ ۱۹ برس کی عمر میں بیعت فرمایا، اور فرمایا کہ چھ ماہ میرے پاس رہ جاؤ لیکن آپ کے والد صاحب نے مفارقت گوارہ نہ کی۔ اس لئے حضرت حاجی صاحبؒ نے واپسی کی اجازت فرمادی۔ اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں آپ دوبارہ اپنے شیخ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت بہت مسرور ہوئے۔ آپکو حضرت حکیم الامتؒ کا اتنا خیال تھا کہ دوران قیام مکہ حضرت حکیم الامت کو اپنے عیال کے لئے جو جدہ میں پہنچے تھے تبدیل مطوف کی ضرورت ہوئی کیونکہ ناواقفی سے ایک اجنبی کو مطوف مقرر کرلیا تھا، اس لئے حضرت حکیم الامت کو شیخ المطوفین کے پاس جانا پڑا جو بہت بددماغ مشہور تھا۔ واپسی پر حضرت حاجی صاحب نے سوال کیا کہ وہ کس طرح پیش آیا تو حضرت حکیم الامتؒ نے عرض کیا کہ حضرت کی دعا اور توجہ کی برکت سے بہت اخلاق سے پیش آیا۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحب بہت مسرور ہوئے۔[3]

نہایت شفقت کی بنا پر حضرت حاجی صاحبؒ نے دور کا رشتہ بھی تلایا اور اپنا پوتا فرمایا کرتے۔ لیکن چونکہ روحانی رشتے کے مقابلہ میں نسبی رشتے کی کوئی حقیقت نہیں، اس لئے حضرت حکیم الامتؒ کو نہ اس سے دلچسپی ہوئی اور نہ تفصیل یاد رہی۔[4]

ایک دفعہ فرمایا کہ اگر اب میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں، پھر خود ہی فرمایا کہ اشرف علیؒ کے یہاں ٹھہروں۔[5] دوران قیام مکہ حضرت بڑی پیرانی صاحبہ مع اپنی خالہ کے مکہ معظمہ پہنچ گئیں تو خالہ صاحبہ نے حضرت حکیم الامتؒ کی اولاد کے لئے حضرت حاجی صاحبؒ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے باہر آکر حضرت حکیم الامتؒ سے فرمایا کہ تمہاری خالہ مجھ سے دعا کیلئے کہتی ہیں سو

---

[1] ارواح ثلثہ صـ۲۲۸ [2] ایضاً صـ۲۵۱ [3] اشرف السوانح ج ۱ صـ۳۰۲ [4] ایضاً صـ۳۰۶
[5] اوج قنوج صـ۳۵۔

دعا تو میں نے کر دی ہے، لیکن بھائی میرا تو جی یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم رہو، پھر دیر تک اس زمانہ میں اولاد کی خرابیاں بیان فرماتے رہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے عرض کیا جو حالت حضرت کو پسند ہے وہی حالت میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں، بس حضرت مسرور ہوئے کہ صحیح جانشین مل گیا۔[۱]

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت حکیم الامتؒ سے فرمایا کرتے تھے تم پورے پورے میرے طریق پر ہو جب کوئی تحریر یا تقریر دیکھنے یا سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرمانے لگتے جزاکم اللہ تم نے تو بس میرے سینہ کی شرح کر دی اور دوران علوم و معارف کوئی کچھ سوال کرتا تو بجائے خود جواب دینے کے حضرت حکیم الامتؒ کی طرف اشارہ فرما دیتے کہ ان سے پوچھ لینا یہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں، حالانکہ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ غایت ادب کی وجہ سے حضرت کے سامنے ہمیشہ خاموش رہتا تھا اور بہت کم کبھی ضرورت کے وقت بولنے کا اتفاق ہوتا تھا۔[۲] حضرت حاجی صاحبؒ کی فرمائش پر حضرت حکیم الامتؒ نے اکسیر فی اثبات التقدیر کا ترجمہ دوران قیام مکہ ہی کیا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ ہر روز ترجمہ سنتے اور مقدار کی زیادتی پر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے وقت میں برکت رکھی ہے۔[۳]

(باقی آئندہ)

---

[۱] اشرف السوانح ج ۱ صفحہ ۲۰۳ و حیات اشرف صفحہ ۹۲　[۲] اشرف السوانح ج ۱ صفحہ ۱۹۳　[۳] ایضاً صفحہ ۲۹۴
[۴] ایضاً ج ۳ صفحہ ۹　[۵] ایضاً ج ۲ صفحہ ۳۰

مولانا محمد فرید صاحب

خاندانی منصوبہ بندی شرعی نقطۂ نظر سے

ایک سوال اور اس کا جواب

مکرمی جناب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب

سلام مسنون۔

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ماہرین اقتصادیات وعمرانیات کے پیش نظر ایک ہولناک مسئلے کی صورت جلوہ گر ہے۔ اگر اس مسئلے پر محض اقتصادی یا عمرانی نقطۂ نظر سے بحث کی جائے تو تحدید النسل ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔ تاہم مسلم معاشرے میں کسی تحریک کے آغاز سے پیشتر اسکی شرعی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

میں ایک تحقیقی ادارے سے وابستہ ہوں۔ "اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی" کے موضوع پر کام کر رہا ہوں۔ میرے پیش نظر کوئی سیاسی مصلحت نہیں، ہر قسم کے دباؤ سے بے نیاز محض دین کی خدمت کے جذبے کے تحت میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے مجھے ہر وقت علمائے وقت کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ امید ہے آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر میری راہنمائی کے لئے مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈالیں گے۔

الف۔ آپ کے خیال میں "خاندانی منصوبہ بندی" مذہبی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں۔ ؟

ب۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عزل کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ ؟

ج۔ فقہائے کرام نے کن صورتوں میں ایک شادی شدہ جوڑے کو عزل پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دی ہے۔ ؟

۵۔ آیا تحریک کی صورت ضبط تولید کے مختلف طریقوں کی ہمہ گیر اشاعت شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں۔؟

۶۔ اگر نہیں، تو اس سے کون سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔؟ نیز ان خرابیوں کے تدارک کے لئے آپ کی تجاویز!

۷۔ عزل کے علاوہ ضبط تولید کے دیگر جدید طریقوں پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب از دارالافتاء

آنجناب کا سوالنامہ ملا۔ خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہماری رائے جو شرعی نصوص اور فقہائے امت کی آراء پر مبنی ہے حسب ذیل ہے۔

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے ہولناک نتائج کی بناء پر تحدید النسل کرنا جبکہ جبری اور حاکمانہ طور سے ہو یا تحریک کے طور سے ہو مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہے۔ ایک موحد اور مسلم قوم کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ املاق اور تنگدستی کے خطرہ کی بناء پر مشرکین عرب کیطرح وأد (خفی) میں مبتلا ہو، نیز جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین جنکی عاقبت اندیشی ہمدردی اور شفقت علی الخلق میں کوئی شبہ نہیں ہے، انہوں نے عرب جیسے ریگستان اور بے آب وگیاہ ملک میں تحدید النسل کا حکم یا مشورہ نہ دیا حالانکہ وہاں قحط کا خطرہ بلکہ اس کا متحقق ہونا ان کو محسوس تھا بلکہ بجائے تحدید کے تکثیر نسل کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: تزوجوا الودود الولود فانی مکاثربکم الامم۔ تو مسلمان معاشرہ کیلئے یہ کب زیبا ہو سکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع چھوڑ کر ہر معاملہ میں مغربیت کی اندھی تقلید کرے اور تقلید بھی اس درجہ کی کہ اگر آج ہی مغرب کی طرف سے تکثیر نسل کا اشارہ بھی ہو جائے تو فوراً اس کے صواب اور حق ہونے پر مصر ہوں گے۔ الغرض اس مسئلہ کا حل اقتصادی وعمرانی نقطۂ نظر سے تحدید نسل نہیں جو شان رزاقیت خداوندی پر اعتماد اور توحید کے خلاف ہے بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ خداوند کریم نے اس زمین اور کائنات میں رزق و معاش کے جو بے انتہا اور بے حد وحساب خزائن ودیعت فرمائے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی عقل وادراک سے کام لیکر رزق بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار فراہم کرنے کے ذرائع کام میں لائے جائیں، بنجر زمین کو قابل کاشت بنائیں، زمینداروں کی زرعی ترقی میں رہنمائی کریں زمین کا غیر ضروری پیداوار از قسم تمباکو کی تحدید یا اس کا خاتمہ کریں جس پر

انسان کی بنیادی ضروریات کا کوئی مدار نہیں۔۔۔۔۔ اس تمہیدی بحث کے بعد بالترتیب جوابات مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔۔۔۔

ل ۔ حاکمانہ اور جبری طور سے نیز ہمہ گیر اور اجتماعی تحریک کے طور سے ناجائز ہے۔۔۔ اور بلا جبر واکراہ انفرادی طور سے کسی ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

ب ۔ جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے لیکن یہ جواز بھی اس وقت ہے جبکہ یہ امر مفاسد پر مشتمل نہ ہو جو مباحات مفاسد کا ذریعہ بنیں وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں اسی طرح اس کے محرکات اور بواعث بھی از روئے شرع مذموم نہ ہوں۔

ج ۔ عزل ضرورتمند اور معذور اشخاص کیلئے جائز ہے اور تقلید اہل مغرب کی وجہ سے یا اقتصادی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہے، جیسا کہ کھڑا ہو کر پیشاب کرنا اور جو لوگ اسے ایک تحریک کی شکل دے رہے ہیں ان کے نزدیک اس کا ایک معاشی مسئلہ کا حل ہونا ذہنی غلامی کا ثبوت ہے۔

د ۔ ضرورتمند اور معذور کیلئے انفرادی طور سے بلا جبر واکراہ جائز ہیں جبکہ مفاسد پر مشتمل نہ ہوں لیکن مفاسد پر اشتمال یقینی ہے، اس لئے اسے تحریک کی شکل میں چلانا بہرحال ناجائز ہے۔

ر ۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رازقیت اور صفت تقدیر سے غفلت اور کثرت زنا کی لعنت اس کے اہم مفاسد ہیں۔ جن کا تدارک اگرچہ زبانی طور سے ممکن ہے لیکن عملی طور سے ناممکن ہے۔۔۔

س ۔ صاحب عذر اور ضرورتمند کیلئے دوسرے طرق بھی انفرادی طور سے جائز ہیں البتہ جو طریقے مفاسد پر مشتمل ہوں جیسے نس بندی کی صورت یا مستقل طور پر قوت تولید زوج یا زوجہ کا خاتمہ کرانا جواز قبیل تغییر خلق اللہ بھی ہے۔ اس کا ارتکاب ناجائز ہے۔ اس قسم مفاسد پر اشتمال ضروری ہے، لہٰذا ہم اس تحریک کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے ہیں۔ جو لوگ نصوص کتاب و سنت اور فقہائے کرام کے اقوال و آراء کو کھینچ تان کر اپنی مطلب براری کے لئے اس تحریک کا جواز ڈھونڈنا چاہتے ہیں ان کی تحقیقات کا جو در اصل تاویل و تحریف ہے کوئی اعتبار نہیں۔

مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک

قارئین کے خطوط
ایڈیٹر کے نام

افکار و تاثرات

۱۔ کعبہ کی تعمیر میں کفر کی اینٹ ۔۔۔؟
۲۔ سمت قبلہ
۳۔ اعداد و شمار قرآنی
۴۔ وحدت امت کے لئے خطرہ

کعبہ کی تعمیر میں کفر کی اینٹ ۔؟ تاج کمپنی ، خوش رنگ اور دیدہ زیب قرآن پاک کی اشاعت کے لئے مشہور بلکہ ہمارے ملک کی اجارہ دار کمپنی ہے ۔ اسکی بے احتیاطی ، ترک ادب اور بدعہدی کی باتیں سننے میں آتی رہتی تھیں ۔ مگر جو بات آنکھوں دیکھی نہ تھی ۔ اس پر اعتنا کئے بغیر خود قرآنی خدمت ہی پر نظر کر کے ہر ایسی خبر کو ان سنی کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا رہا ۔ مگر اب تو خود کمپنی نے دھڑلے سے وہ اشتہار شائع کر دیا ہے جسکی رو سے " سود " کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے پیغام ربانی کی اشاعت کے لئے سودی سرمایہ کاری کا عزم اور اس میں شرکت کی ترغیب دلائی گئی ہے ، اشتہار کے متعلقہ اجزاء ملاحظہ ہوں ۔۔۔ حصول نفع کی طمانیت یوں دلائی گئی ہے :

" وہ تمام اصحاب جن کے پاس روپیہ ہے ، بے کھٹکے ۔۔۔ کمپنی میں اپنی رقم جمع کرا کے چین کی نیند سوتے رہیں [1] نفع کی جو شرح ان سے طے ہو جاتی ہے ، پابندیٔ وقت کے ساتھ انہیں ملتی رہتی ہے ، خواہ ماہوار ، خواہ سہ ماہی ، خواہ ششماہی ، خواہ سالانہ "

اور اس منافع کی شرح اور صورت یہ تجویز کی گئی ہے :۔

" اگر آپ ایک سال کے لئے روپیہ جمع کرائیں گے تو ہم آپ کو نفع دیں گے چھ

---

[1] ایسی نیند کہ نہ خدا کبھی یاد آئے نہ اس کا پیغام ! ایسی نیند کہ نہ بند ہو کر پھر آنکھ کھلے ، اور نہ کلام ربانی کو کھول کر دیکھنے کی نوبت آئے !! (غ ۔ م)

فیصد سالانہ کے حساب سے اگر آپ دو سال کے لئے روپیہ جمع کرائیں گے تو ہم آپ کو نفع دیں گے سات فیصد سالانہ کے حساب سے، اگر آپ تین سال کے لئے روپیہ جمع کرائیں گے تو ہم آپ کو نفع دیں گے آٹھ فیصد سالانہ کے حساب سے، اگر آپ چار سال کے لئے روپیہ جمع کرائیں گے تو ہم آپ کو نفع دیں گے نو فیصد سالانہ کے حساب سے، اگر آپ پانچ سال کے لئے روپیہ جمع کرائیں گے تو ہم آپ کو نفع دیں گے دس فیصد سالانہ کے حساب سے۔"

یہ ہے سرمایہ کاری کی نوعیت اور "چین کی نیند" سلانے والے نفع کی صورت! دین کے مفتیوں کی بات کو چھوڑیئے کہ وہ تو اسکو سراسر "سودی سرمایہ کاری" قرار ہی دیں گے، خود عہدِ حاضر کے ماہرین معاشیات کے سامنے اس مسئلہ کو رکھئے اور پوچھئے کہ روپیہ کی معین مقدار، مقررہ میعاد کے لئے لگائی جائے اور اس پر ایک متعینہ رقم فیصد سالانہ کے حساب سے ملتی رہے جو تجارتی ترقی اور خسارہ کی دھوپ چھاؤں سے کسی طرح متاثر ہی نہ ہو اور نہ سرمایہ لگانے والے کو کسی بھی قسم کی محنت خواہ وہ جسمانی (MANUAL) ہو یا دماغی (SKILLED) یا وہ جسکو تنظیم (ORGANISATION) کہتے ہیں ____ اس میں لگانی پڑے بلکہ صرف محض "چین کی نیند" سوتے ہوئے روپیہ پر روپیہ ملتا رہے اور اصل رقم جیسی کی تیسی محفوظ رہے تو اس زائد روپیہ کو خود معاشیین "نفع" (PROFIT) کہیں گے یا صاف صاف "سود" (INTEREST) ____؟ یقین کیجئے کہ معاشیین کا حتمی فتویٰ یہی ہوگا کہ یہ کھلا کھلا "سود" ہے، جس کو دین اسلام کی اصطلاح میں "ربوا" کہتے ہیں، جسکو قرآن نے بہ تمام شدت حرام قرار دیا ہے، اور اختیار ہونے پر ایسے سود خواروں پر جہاد کرنا واجب قرار دیا ہے۔

تاج کمپنی کے ڈائریکٹرز کو داد دیجئے کہ انہوں نے سودی سرمایہ کاری کے ذریعہ "قرآن پاک" کی اشاعتِ عظیم کا تہیہ کر لیا ہے، گویا کعبہ کی تعمیر کفر کی اینٹوں سے کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو اس میں تعاون کی ترغیب بھی دے رہے ہیں، اور عام مسلمان، خصوصاً اندھے سرمایہ داروں سے کچھ بعید نہیں کہ بلا سوچے سمجھے اس میں اپنا سرمایہ لگا دیں۔

کرنے کو مسلمان جو چاہیں کر گذریں، انہیں اختیار ہے اور شریعت کے ظاہری شکنجہ سے بھی وہ آزاد ہیں، مگر یہ یاد رہے کہ جس سمت سے انسان کو یہ ٹوٹا پھوٹا آنی فانی اختیار ملا ہے، ٹھیک اسی سمت سے ایک اور اٹل اور پُر قوت قانون جزا و سزا کا ہمہ وقتی طور پر جاری ہے جسکو کوئی

بشری طاقت نہ روک سکتی ہے نہ بدل سکتی ہے ۔ نہ جسکی تنفیذ کے لئے کسی حکومتی واسطہ کی کوئی حاجت ہے ، وہ قانون بلاواسطہ نافذ وجاری ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ، اللہ تبارک تعالیٰ کے کلام پاک کو جب محض ناپاک ہاتھوں سے چھوا ہی نہیں جائیگا بلکہ حرام وگندہ سرمایہ سے اسکی کتابت وطباعت اور اشاعت کے سامان ہوں گے تو اس حرام سرمایہ کاری کا نمود خواہ آرٹ پیپر اور اسکی رنگارنگی کی صورت میں کیوں نہ ظاہر ہو اور ظاہر بین نگاہ خواہ اس سے مسحور ہی کیوں نہ ہو کر رہ جائے مگر قرآن پاک کی ایسی سخت بے حرمتی اور اس کے منشار کے عین خلاف خود اسی کے ساتھ معاملہ ، سزا کی ایسی مہیب اور ذلت آمیز صورت کو دعوت دے رہا ہے کہ جب وہ ظاہر ہو گی تو اس سرمایہ کاری کے چھوٹے سے چھوٹے معاون کی بھی دائمی حیات کو جہنم اثر اور خود موت سے بدتر بنا کر رہے گی ۔۔۔ العیاذ والحذر !

یہ تقدیری اور تکوینی قانون جزا وسزا کا ظہور جب بھی اور جیسا کچھ بھی ہو ، باخبر اور حساس مسلمان کو اس کے سہارے محض حالت منتظرہ میں تو نہیں بیٹھے رہنا چاہیئے ، نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کا مامور تو اپنی اپنی حد قدرت میں ہر ایک مسلمان ہے ہی ، اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے تاج کمپنی کو اسکی غلط کاری اور جہل مرکب سے باخبر کیا جائے اور بتایا جائے کہ غلاظت اگر جوتے کو لگ جائے تو پھر بھی چل جاتی ہے ، لیکن اگر کہیں "تاج" کو لگ جائے تو اس کو فوراً اتار پھینکا جائیگا ، اگر اس انتباہ سے کمپنی تائب ہو جائے تو چشم ماروشن ودل ماشاد ، اور اگر ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو کم ازکم اس کے مال اور اسکی کتابوں کا بائیکاٹ تو ہو سکتا ہے ۔ اور اتنا تو ہونا ہی چاہیئے !! اور اس پر عام مسلمانوں کو کم سے کم اتنی قوت سے تو ضرور اکسانا چاہیئے جس قوت سے باطل ابھر آیا ہے ۔

(مولانا غلام محمد بی اے ۔ کراچی)

سمت قبلہ معلوم کرنیکا آسان طریقہ روزانہ دن کے وقت ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ جب کسی خاص مقام پر اشیاء کا سایہ عین قبلہ کی سمت میں پڑتا ہے ۔ اس سے نئی مساجد کی بنیاد رکھنے میں یوں مدد لی جا سکتی ہے کہ منتخب شدہ مقام پر زیر تجویز مسجد کا کوئی سا ایک منتخب کر لیں اور اس پر سات آٹھ فٹ لمبا ایک بانس بالکل عموداً نصب کر دیں ۔ اور اس خاص لمحہ پر جس طرف اس کا سایہ پڑے ادھر سایہ کا نشان زمین پر لگا دیں اور اس پر دیوار کی بنیاد رکھ لیں ۔ جب قبلہ کے رخ دیوار کا نشان لگ جائے تو پھر محراب والی یا عقبی دیوار کا نشان

لگانا آسان ہے۔ تعمیر مسجد کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل معلومات احقر کو خط کے ذریعہ بہم پہنچا کر وہ خاص وقت معلوم کریں۔

۱۔ شہر یا قصبہ کا نام۔ (اگر وہاں کا طول بلد اور عرض معلوم ہو تو وہ بھی لکھ دیں ورنہ خود ہی معلوم کر لیا جائے گا۔) اگر کسی گاؤں میں مسجد بنی ہو تو اُس گاؤں کا جغرافیائی محلِ وقوع درج فرمائیں۔

۲۔ انگریزی مہینہ کی کس تاریخ کو مسجد کا نشان لگانا مقصود ہے۔

ملک بشیر احمد بگوی ایگزیکٹو انجینئر ڈائرکٹر آف ورکس
اینڈ چیف انجینئر پی۔ اے۔ ایف۔ پشاور چھاؤنی

اعداد و شمار قرآنی جو اعداد و شمار دربارۂ قرآن کریم کے رکوعات وغیرہ الحق اپریل ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئے ہیں۔ وہ درحقیقت قابلِ ستائش ہیں۔ دعا ہے کہ رب العزت مولانا لطافت الرحمٰن صاحب کو اس سعی جمیلہ کی جزائے خیر دے ــــ اس ضمن میں بندہ اتنی گذارش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ کہ اعدادِ نقطہ جات میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے، یا تو یہ فرق میری کم فہمی پر مبنی ہے۔ اور یا کاتب سے کتابت میں سہو ہو گئی ہے ــــ اگر یہ فرق میری ناسمجھی ہے تو براہِ نوازش اس ناچیز کی تفہیم کی سعی فرما دیں، بصورت دیگر الحق کے آئندہ شمارے میں تصحیح شائع فرمائیں۔ تاکہ اہلِ ذوق حضرات کے پاس صحیح اعداد و شمار موجود ہوں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:۔

کل نقطہ جات = ۱۰۵۶۸۲

منقوطہ حروف کے کل نقطہ جات:

حرف		تعداد		نقطے		کل
با	=	۱۱۴۲۸	×	۱	=	۱۱۴۲۸
تا	=	۱۱۰۹۵	×	۲	=	۲۲۱۹۰
ثا	=	۱۲۷۶	×	۳	=	۳۸۲۸
ج	=	۳۲۰۰۳	×	۱	=	۳۲۰۰۳
خ	=	۲۴۱۶	×	۱	=	۲۴۱۶
ذ	=	۴۶۷۷	×	۱	=	۴۶۷۷
ز	=	۱۵۹۰	×	۱	=	۱۵۹۰
ش	=	۲۲۵۳	×	۳	=	۶۷۵۹

ص = ۱۳۰۷ × ۱ = ۱۳۰۷

ظ = ۸۴۲۰ × ۱ = ۸۴۲۰

غ = ۲۲۰۸ × ۱ = ۲۲۰۸

ف = ۸۴۹۹ × ۱ = ۸۴۹۹

ق = ۶۸۱۳ × ۲ = ۱۳۶۲۶

ن = ۴۵۱۹۰ × ۱ = ۴۵۱۹۰

میزان کل = ۱۶۴۱۴۱

فرق ۱۶۴۱۴۱ − ۱۰۵۶۸۲ = ۵۸۴۵۹

(سید صحبت شاہ پشاور)

مقالہ نگار کی رائے | سید صحبت شاہ صاحب کے استفسار سے اس حد تک تو خوشی ہوئی کہ انہوں نے مضمون کو بہ حیثیت مجموعی پسند کیا ہے، اور ساتھ ہی ناچیز کے لئے اجر و ثواب کی دعا کی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ رہا نقطہ جات کے شمار کے بارہ میں تو عرض یہ ہے کہ مضمون کا یہ جزء کوئی خاص اہم نہیں ہے، بلکہ میں نے ذیلی اور ضمنی طور سے آیات و کلمات، حروف و حرکات وغیرہ کے اعداد و شمار کو صرف عوامی سطح پر مفید جان کر مضمون میں شامل کر دیا تھا۔ ورنہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تو اس کو فضول اور بطالت قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: وتقدم عن ابن عباس عدد حروفہ وفیہ اقوال اخر والاشتغال باستیعاب ذلک مما لا طائل تحتہ وقد استوعبہ ابن الجوزی فی فنون الافنان وعد الانصاف والاثلاث ——— الی الاعشار واوسع فی ذلک فراجعہ فان کتابنا موضوع للمہمات لا لمثل ہذہ البطالات وقد قال السخاوی لا اعلم لعدد الکلمات والحروف من فائدۃ۔ (اتقان ج ۱ ص ۷۲)

ان نقطوں سے وہ نقطے مراد ہیں جن سے ابوالاسود دئلی نے وقتی اور ابتدائی جزوی طور پہ اعراب کا کام لیا تھا اور جن کی بابت فضائل القرآن لابن کثیر الدمشقی میں ہے۔ واما شکل المصحف ونقطہ فروی ان عبد الملک بن مروان امر بہ وعملہ فتجرد لذلک الحجاج۔

نیز اس طرح کے نقطے نزول وحی کے وقت رموز و اوقاف، اثلاث، اخماس، اعشار، مکی، مدنی، بصری، کوفی وغیرہ آیات قرآنیہ کے تعین کیلئے استعمال میں لائے گئے ہیں جن کو نوٹ کر کے

ضبط میں رکھا گیا۔ سیوطی نے اتقان میں عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کے عہد میں آیت کی علامت (:) نقطے قرار پائے تھے، یہ آیت کے شروع میں لگائے جاتے تھے۔

بہر صورت نقطہ جات کا محل یہ ہے نہ کہ وہ۔ امید کہ سید صحبت شاہ صاحب کی تشفی کیلئے اتنا کچھ کافی ہوگا۔ باقی نقطہ جات قرآنیہ کا عنوان اگرچہ بجائے خود ایک مضمون کا موضوع بن سکتا ہے لیکن نہ تو مجھے اتنی فرصت ہے اور نہ ہی اس میں چنداں اہمیت ہے۔ آخر میں عرض ہے کہ مضمون میں حروف کا شمار بجائے ۳۲۳۶۷۱ کے ۲۲۲۶۷۱ چھپ گیا ہے آپ ضروری جانیں تو تصحیح کروالیں ورنہ کوئی ضرورت نہیں، میری یہ یاد دہانی تصحیح کیلئے کافی ہے۔ والسلام

(ناچیز لطافت الرحمٰن جامعہ اسلامیہ بہاولپور)

وحدت امت کیلئے خطرہ پاکستان بننے کے بعد عموماً اور ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۹ء تک کا عرصہ خصوصاً قادیانیوں کو پر پرزے نکالنے میں خطرناک حد تک ممد و معاون ثابت ہوا ہے۔ جہاں تک علمی سطح کا تعلق ہے اس کی تردید ہر طرف سے ہو رہی ہے، حضرات علماء ان کی خانہ بر اندازیوں سے غافل نہیں اور ہر ممکن طریقہ سے اس کو بے نقاب کر رہے ہیں۔ تقریری میدان میں بھی علماء کرام کا خاص موضوع یہی ہے اور عوام کو مرزائیت (قادیانیت) کے مستقل اور پائدار خطرات سے خبردار کر رہے ہیں، لیکن جہاں تک تحریری تردید کا تعلق ہے سراسر ناپید ہے اور اسی طرف کوئی توجہ نہیں دی جارہی اور اس طرف سے بہت تغافل روا رکھا جارہا ہے، یہ بات تو آپ پر روزِ روشن کیطرح عیاں ہے کہ آج کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ (جس کا اسلامی معتقدات کے ساتھ لگاؤ اور تعلق صفر ہے) اس فرقہ کافرہ کو مسلمانوں اور اسلام کا گروہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ بقول اقبال مرحوم ہر ایسا گروہ (امت جس کی وحدت اسلامی عقیدہ ختم نبوۃ (علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیہ) پر استوار نہ ہو مسلمانوں اور اسلام کے وحدت (اتحاد) کیلئے شدید خطرہ ہے اور اس اتحاد کو پارہ پارہ کرکے رہتی ہے اور مسلمان ایسے خطرات کے بارے میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں۔

خدانخواستہ اگر آج اس اہم مسئلہ کیطرف "دینی وسیاسی طور" پہ کوئی توجہ نہ دی گئی تو روزِ قیامت داورِ حشر کی عدالت میں آقائے دوجہاں "صلی اللہ علیہ وسلم" کے سامنے ہمیں شرمسار ہونا پڑے گا ــــ اور آئندہ پاکستان میں اسلام کی وحدت کیلئے خطرناک حد تک مضر ثابت ہونگے۔

تعارفِ کتب

★

اسلامی مذاہب (المذاہب الاسلامیہ) | استاذ ابوزہرۃ جامعۃ الشرعیۃ قاہرہ

مترجم، پروفیسر غلام احمد حریری صاحب ایم اے۔ صفحات ۲۱۵
طباعت وکتابت اعلیٰ، قیمت مجلد نو روپے

مسلمانوں میں اعتقادی، فقہی اور سیاسی اساس پر فرقہ بندیاں ہوتی رہیں مگر مسلمانوں کے سوادِ اعظم اہلِ سنت والجماعۃ اور وعدۂ حفاظتِ اسلام نے اکثر کو پنپنے نہیں دیا، مرورِ زمانہ کے ساتھ یہ فرقے مٹتے گئے، اور ان کا ذکر ملل ونحل کی کتابوں کی زینت رہ گیا۔ علامہ ابن حزمؒ اور عبدالکریم شہرستانیؒ کی الملل والنحل اور عبدالقادر بغدادی کی الفرق بین الفرق جیسی ضخیم کتابیں ان ہی فرقوں کے احوال ومعتقدات پر مشتمل ہیں۔ اسی نہج پر اور پچھلے کئی نو پیدا فرقوں کو سمیٹتے ہوئے مصر کے شہرہ آفاق محقق عالم مورخ اور فقہ وفقہاء پر کئی تصانیف کے مصنف علامہ ابوزہرۃ نے المذاہب الاسلامیہ لکھی ہے۔ متعلقہ موضوع اور مبحث کے سارے گوشوں کو جمع کرنا اور ان پر معلومات کا ڈھیر لگا کر جچی تلی رائے قائم کرنا مصنف کا خاص انداز ہے۔ اور اسی انداز میں یہ کتاب بھی لکھی گئی ہے۔ اسلامی مذاہب اسی گرانمایہ کتاب کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ ہے۔ اسلامی فرقوں کو اعتقادی، سیاسی اور فقہی خطوط پر تقسیم کر کے مصنف نے پیشِ نظر کتاب میں پہلی دو قسموں سے گفتگو کی ہے۔ اعتقادی فرقوں میں جبریہ، قدریہ، معتزلہ اور اشاعرہ وغیرہ اور سیاسی فرقوں میں معتزلہ اور خوارج اور ان سے نکلنے والے بیسیوں دیگر فرقوں کے افکار ونظریات ان کے فروغ پانے والے بلاد وامصار بانیٔ فرقہ کے حالات، معرضِ وجود میں آنے کی وجوہات اور ملت کو پہنچنے والے نقصانات سے کافی شافی بحث کی گئی ہے۔ مقدمہ کتاب میں اسبابِ اختلافِ امت پر فاضلانہ قلم اٹھایا گیا ہے۔ قریبی عرصہ میں پیدا ہونے والے فرقوں میں بہائی اور قادیانی فرقوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے بہائی تو خود بھی اپنی نسبت اسلام کی طرف نہیں کرتے مصنف نے قادیانی فرقہ اور اس کے بانی کے افکار وعقاید اور دعاوی پر محققانہ روشنی ڈال کر

اس فرقہ کے کفر وضلالت پر جمہور امت کی ہمنوائی کی ہے، اس لحاظ سے بہائی اور قادیانی دونوں فرقے اسلام سے اصولاً اور کلیۃً متضاد ہیں، مگر مصنف نے محض رسمی طور پر ان کا ذکر اپنی کتاب میں کر دیا ہے ہمیں خوشی ہے کہ قادیانیت پر عالم عرب کے ایک مشہور مصنف نے قلم اٹھا کر اس کے دجل وتلبیس سے عربوں کو آگاہ کر دیا اس سے قبل الملل والنحل للشہرستانیؒ کے طبع جدید (قاہرہ ۱۹۶۱ء) کے ذیل میں بھی محمد سید گیلانی صاحب نے (ص۵۵ تا ص۶۳) قادیانیت پر فاضلانہ گفتگو کی ہے اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب قادیانیت سے تو عالم عرب میں اسکی پوری قلعی کھول دی ہے۔ مصنف کی تحقیق وکاوش پھر فاضل مترجم کی محنت سے اس محققانہ کتاب کا اردو داں طبقہ کیلئے بھی قابل استفادہ ہو جانا بہت قابل ستائش ہے۔ مصنف سلفی المذہب ہیں اور پھر اس کتاب نے تو تفضیل علیؓ واہل بیت کے بارہ میں ان کے رجحانات کی نشاندہی کر دی ہے۔ یہ رجحان مذموم نہیں لیکن تفضیل اور مساوات کے جھگڑوں میں پڑ کر احتیاط اور اعتدال کا دامن تھامے رکھنا بہت مشکل بات ہوتی ہے۔ مصنف بھی اسی بے اعتدالی کے شکار ہو گئے ہیں، اور حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شان صحابیت اور مقام ومرتبہ کی رعایت نہیں کر سکے۔ مشاجرات صحابہؓ کے بارہ میں یہ انداز گفتگو نہ تو کتاب وسنت کے عمومی مزاج کے مطابق ہے اور نہ مبنی بر احتیاط وتحقیق۔ اسلام کے سیاسی فرقوں از قسم شیعہ وخوارج وغیرہ کی تشکیل میں صحابہؓ کے متعلق اسی غیر محتاط مبنی بر افراط وتفریط انداز فکر اور نظری تعصب کا بنیادی حصہ ہے۔ اگر شیخ ابوزہرۃ کو حضرت عثمانؓ ومعاویہؓ جیسے صحابہ سے حسن ظن نہیں تو خطرہ ہے کہ سیاسی فرقوں سے بحث کرتے ہوئے بھی ان کا قدم جادۂ حق وانصاف پر قائم نہ رہ سکا ہو۔ شیخ ابوزہرۃ بلاشبہ ایک وسیع النظر عالم ہیں، اور اس بنا پر کئی مسائل میں اپنی رائے جمہور کے خلاف قائم کرتے ہیں، مثال کے طور پر خلافت کی شرائط سے بحث کرتے ہوئے ارشاد نبوی "الائمۃ من قریش" پر مبنی اشتراط قرشیت کو ایک ہونے والے واقعہ کی اطلاع (اخبار غیب) پر محمول فرماتے ہیں، جبکہ جمہور علماء نے اسے پیشگوئی کی بجائے حکم اور امر قرار دیا ہے، چنانچہ اکثر متکلمین اور فقہا اسے شرائط خلافت میں شمار کرتے چلے آئے ہیں، مصنف نے جمہور کے نقطۂ نظر پر منصفانہ گفتگو کی ہے، مگر یہ اشکال اب بھی قائم ہے کہ اگر حدیث الائمۃ من قریش از قسم غیب تھی تو حضرت صدیقؓ نے سقیفۂ بنو ساعدہ میں اسے بطور استحقاق کیوں پیش فرمایا؟ صحابہ کرامؓ یہ کہہ کر ان کی دلیل کو ٹھکرا سکتے تھے کہ اخبار غیب اوروں پر حجت نہیں بن سکتا اور نہ اخبارات

پر تشریع ہوسکتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہؓ نے اخبار غیب پر عمل کرنے کی بجائے صدیقی استدلال پر سکوت فرما کر اس کے استحقاقی اور حکمی ہونے پر بھی اجماع سکوتی کر لیا۔ غیر قریشی کی امامت کی صحت یا صرف عدم اولویت کا قول خوارج میں سے دو فرقوں ضراریہ اور کعبیہ کا ہے ___ اہل سنت والجماعت کا نہیں ___ ان کی ہمنوائی کرنی تھی تو زیادہ قوت استدلال کی ضرورت تھی ___ مصنف نے جدید فرقوں سے بحث کے دوران باب اجتہاد بند ہونے پر افسوس ظاہر کیا ہے، ادھر انہیں زیادہ فرقہ بندیوں سے بھی خوشی نہیں ہوگی، مگر ہمارے خیال میں تحزب اور تفریق و تفرق میں کمی کے لحاظ سے تو اجتہاد کا مسدود ہونا مفید ہی ثابت ہوا، پچھلی چند صدیوں اور عصر حاضر میں وہ دینی و علمی فرقے جو فرقے کم اور فتنے زیادہ تھے، اسی بے لگام اجتہاد کا نتیجہ تھے ___ اسی طرح مصنف نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو تعظیم قبور اور دیگر بدعات کی شکل میں ظہور کفر و شرک کا سبب قرار دیا ہے لیکن ان منکرات کی وجہ سے اگر تقلید مذموم ٹھہر جائے تو کیا تعظیم و تقدیس کے ایسے ناجائز مظاہر سے اولیاء امت بلکہ انبیاء کرام تک کے ساتھ جہالت کی وجہ سے نہیں کئے جا رہے، پھر کیا ان کے اقوال کی عظمت اور حیثیت اور ان کی اتباع و اطاعت بھی اس وجہ سے مذموم ہو جائے گی، کتاب کے فاضل مترجم نے جگہ جگہ حواشی میں اپنی آزادانہ رائے ظاہر کی ہے۔ اور حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں بجا طور پر گرفت کی ہے، مگر وہ مصنف کتاب سے بڑھ کر سلفی الخیال معلوم ہوتے۔ اس لئے مصنف نے جہاں وہابیت پر گرفت کی ہے، مترجم نے اسکی دفاع کی کوشش کی ہے۔ ان دو ایک باتوں کو چھوڑ کر "اسلامی مذاہب" معلومات تحقیق اور موضوع کے لحاظ سے نہایت گرانمایہ کتاب ہے۔ جن لوگوں کی رسائی اصل کتاب تک نہ ہو سکے انہیں "اسلامی مذاہب" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جس کے لئے کتاب کے معزز ناشرین نہایت تحسین کے مستحق ہیں۔ (س ح)

ہندوستان جانے والی ڈاک

بھارت جانے والے الحق کے تمام پرچے پچھلے ماہ واپس کر دئے گئے جبکہ ہندوستانی ڈاک (خطوط، رسائل، کتب وغیرہ) برابر آرہی ہے معلوم نہیں اس کی وجہ کیا ہے یہ ظلم جس طرف سے بھی ہو رہا ہے فوری توجہ اور تدارک کا مستحق ہے۔ (ادارہ)